سُنّتِ خیر الانام

علیہ الصلوٰۃ والسلام

فتنۂ انکارِ سُنّت پر تحلیلی و تنقیدی نظر۔ منکرینِ سُنّت حضرات کی غلط فہمیوں کا ازالہ، شُبہات کا رَد اور اعتراضات کا جواب۔ قرآن و سنّت کا باہمی رَبط۔ اِتّباعِ سُنّت کے عقلی و نقلی دلائل۔ تدوینِ احادیث کی تاریخ اور محدثینِ کرام کے اَحوال۔

تالیف

پیر محمد کرم شاہ صاحب

فاضل جامعہ ازہر

سجادہ نشین

بھیرہ، ضلع سرگودھا

ناشر:- مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ، کراچی ۱

۲۹۷،۲۹
م ۵۳۷ س
96970

تعداد طباعت ——— ایک ہزار

سنِ طباعت ——— ستمبر ۱۹۷۱ء

کتابت ——— عبدالرؤف

طابع ——— نفیس اکیڈیمی آفسٹ پرنٹرز۔ کراچی

ناشر ——— مدینہ پبلشنگ کمپنی

قیمت ——— ۱۸ روپے

ملنے کا پتہ:۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ۔ کراچی

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	پیش لفظ	۹
۲	انتساب	۱۷
۳	میری ساری عرق ریزی کا حاصل	۱۸
۴	آغازِ سخن	۱۹
	باب اوّل	
۵	منکرِ سنت کی دلیل	۳۰
۶	اس دلیل کا رد	۳۱
۷	اتباعِ سنتِ نبوی کے قرآنی دلائل	۳۴
۸	پہلی دلیل۔ دوسری دلیل	۳۴
۹	محبتِ الٰہی کی وضاحت	۳۵
۱۰	تیسری دلیل	۳۸
۱۱	چوتھی دلیل	۳۹
۱۲	پانچویں دلیل	۴۰
۱۳	چھٹی دلیل	۴۰
۱۴	ساتویں دلیل	۴۱
۱۵	آٹھویں دلیل	۴۱
۱۶	نویں دلیل	۴۲
۱۷	لفظ اطاعت، اتباع کے معانی کی تحقیق	۴۲
۱۸	اطاعتِ رسول ؐ کے حکمِ الٰہی کی تعمیل کی واحد صورت	۴۵
۱۹	ایک شبہ اور اُس کا ازالہ	۴۸
۲۰	حکمتِ قرآن اور سنّتِ نبویؐ ایک معنی کی دو تعبیریں	۵۰
۲۱	انبیاء علیہم السّلام کو دو چیزیں دی گئیں (۱) کتاب اور (۲) حکمت	۵۱
۲۲	لفظ حکمت کے مفہوم کی تحقیق	۵۵
۲۳	احکامِ قرآن پر عمل اتباعِ سنّت کے بغیر ناممکن ہے۔ چند مثالیں	۵۷
۲۴	پہلی مثال	۵۷
۲۵	دوسری مثال	۶۰
۲۶	معاملات اور عبادات کی تفریق	۶۱
۲۷	ان کی اس تفریق کی وجہ	۶۲
۲۸	تیسری مثال: شرح زکوٰۃ	۶۳
۲۹	شرح زکوٰۃ پر اعتراض اور اس کا جواب	۶۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۰	زکوٰۃ کا اسلامی مفہوم	۶۶
۳۱	مُلّا اور زکوٰۃ	۷۲
۳۲	یکا اور یکاں	۷۵
۳۳	ایک شبہ کا ازالہ	۷۷
۳۴	حکمتِ انبیاء اور حکمتِ غیر انبیاء میں فرق	۷۷
۳۵	اطاعتِ امیر (اُولی الامر)	۷۸
۳۶	آیاتِ قرآنی کی تحریف	۷۹
۳۷	اطاعتِ امیر کا حکم	۸۰
۳۸	اطاعتِ رسولؐ اور اطاعتِ امیر میں فرق	۸۳
۳۹	منکرینِ سنت کے نزدیک احکامِ قرآنی بھی مرکزی حکومت کے قوانین کے سامنے ہیچ ہیں	۸۴
۴۰	حضرت صدیقؓ کا پہلا خطبہ	۸۵
۴۱	شاہ روم کے دربار میں حضرت معاذؓ کی تصریح	۸۶
۴۲	اسلامی سیاست کے بنیادی اصول	۸۷
۴۳	رفعِ اختلاف کے لئے اسلامی اور غیر اسلامی طریقوں میں موازنہ	۸۸
	باب دوم	
۴۴	فصل اوّل: بیانِ قرآن کا منصب	۹۳
۴۵	رسول بھیجنے کا مقصد	۹۴
۴۶	احادیث کی تدوین و ترتیب پر شبہات	۹۴
۴۷	ان شبہات کا مصدر حقیقی	۹۵
۴۸	احادیث کی تدوین کے مختلف دور	۹۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۹	عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم	۹۸
۵۰	صحابہ کرام کی رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عدیم النظیر عقیدت و عشق	۹۹
۵۱	ارشاداتِ نبویؐ کے متعلق صحابہ کا شدید اہتمام	۱۰۱
۵۲	نبیٔ اکرمؐ نے اپنی سنت کو لاوارث نہیں چھوڑا	۱۰۳
۵۳	عصرِ رسالت میں سنت کی کتابت	۱۰۶
۵۴	فصل دوم: دورِ صحابہ	۱۱۱
۵۵	روایتِ احادیث میں سخت احتیاط اور اس کی مثالیں	۱۱۲
۵۶	اطاعتِ رسولؐ کی اہمیت صدیقِ اکبرؓ کی نظر میں	۱۱۳
۵۷	عہدِ فاروقی میں تعلیم و تبلیغِ سنتِ نبویؐ کا انتظام، اس پر متعدد شواہد	۱۱۴
۵۸	کیا حضرت عمرؓ نے بعض صحابہ کو کثرتِ روایت کی وجہ سے قید کیا تھا؟	۱۱۸
۵۹	حصولِ علم کیلئے عام صحابہ کا بے پناہ شوق	۱۲۰
۶۰	حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ	۱۲۱
۶۱	حضرت جابر بن عبداللہ " "	۱۲۲
۶۲	حضرت عبداللہ بن عباس " "	۱۲۲
۶۳	احادیث کے محفوظ رہنے کی سب سے بڑی وجہ	۱۲۳
۶۴	فصل سوم: عہدِ تابعین	۱۲۵
۶۵	تابعی کسے کہتے ہیں؟	۱۲۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۶	ہر شہر میں احادیث کی درس و تدریس کے حلقے۔ چند مثالیں	۱۲۵
۶۷	مدینہ منورہ کے چند محدثین	۱۲۶
۶۸	سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۸
۶۹	عروہ بن زبیر قرشی " "	۱۲۹
۷۰	سالم بن عبداللہ " "	۱۳۱
۷۱	کوفہ کے چند محدثین	۱۳۲
۷۲	علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۲
۷۳	مسروق بن الاجدع " "	۱۳۳
۷۴	ابو عمرو النخعی " "	۱۳۴
۷۵	بصرہ کے چند محدثین	۱۳۵
۷۶	ابو العالیہ الریاحی رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۵
۷۷	ابو عثمان النہدی " "	۱۳۶
۷۸	ابو رجاء " "	۱۳۶
۷۹	شام کے چند محدثین	۱۳۷
۸۰	عبدالرحمٰن بن غنم رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۷
۸۱	کثیر بن مرۃ " "	۱۳۷
۸۲	جبیر بن نفیر " "	۱۳۸
۸۳	عائذ اللہ بن عبداللہ " "	۱۳۸
۸۴	عبداللہ بن محریز " "	۱۳۸
	فصل چہارم (حصہ اول)	
۸۵	آغازِ تدوینِ سنت	۱۴۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۶	حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تمام ولایات کے حکام کے نام تدوینِ سنت کیلئے فرمان	۱۴۰
۸۷	سب سے پہلے جامعینِ سنت کے اسمائے گرامی	۱۴۱
۸۸	عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۲
۸۹	ابو بکر محمد بن مسلم الزہری " "	۱۴۴
۹۰	امام اوزاعی " "	۱۴۶
۹۱	معمر بن راشد " "	۱۴۹
۹۲	سفیان الثوری " "	۱۵۰
۹۳	حماد بن سلمہ " "	۱۵۴
۹۴	امام مالک بن انس " "	۱۵۶
۹۵	عبداللہ بن مبارک " "	۱۶۱
	فصل چہارم (حصہ دوم)	
۹۶	تہذیب و تنقیح کا دور	۱۶۳
۹۷	امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ	۱۶۳
۹۸	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری " "	۱۶۹
۹۹	امام مسلم بن حجاج " "	۱۷۶
	باب سوم	
۱۰۰	سنت اور اس کی تشریعی اہمیت	۱۷۹
۱۰۱	معترضین کے اعتراضات کی وجہ	۱۸۱
۱۰۲	لفظ سنت کی تشریح	
۱۰۳	اُمورِ تشریعیہ اور احوالِ طبیعیہ کا فرق	۱۸۲
۱۰۴	شریعت کے پانچ بنیادی مقاصد	۱۸۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۵	علماءِ اصول کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے اقسام	۱۸۴
۱۰۶	رسالت مآب کے اعمالِ طبیعیہ کی پابندی	۱۸۶
۱۰۷	اقسامِ سنّت	۱۸۸
۱۰۸	خبرِ متواتر	۱۸۸
۱۰۹	خبرِ مشہور	۱۹۰
۱۱۰	خبرِ واحد (نہایت اہم بحث)	۱۹۱
۱۱۱	خبر کی تعریف	۱۹۳
۱۱۲	خبرِ واحد کی تعریف	۱۹۴
۱۱۳	خبرِ واحد کے شروط	۱۹۴
۱۱۴	خبرِ واحد کا حکم	۱۹۹
۱۱۵	ظن کی تحقیق	۲۰۰
۱۱۶	ظن کے متعدد معانی کی تفصیل	۲۰۱
۱۱۷	خبرِ واحد پر اعتراض اور اس کا جواب	۲۰۶
۱۱۸	خبرِ واحد پر عمل کرنے کے عقلی دلائل	۲۰۸
۱۱۹	خبرِ واحد پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل	۲۱۱
۱۲۰	خبرِ واحد پر خلفائے راشدین کا عمل	۲۱۲
۱۲۱	قیاس اور خبرِ واحد میں تعارض ہو تو کس پر عمل کریں گے؟	۲۱۵
۱۲۲	قیاس کی تعریف اور مثال	۲۱۶
۱۲۳	بحث نسخ	۲۱۸
۱۲۴	نسخ کیا ہے؟	۲۲۱
۱۲۵	نسخ کے اقسام	۲۲۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	باب چہارم	
۱۲۶	چند احادیث پر اعتراضات اور ان کے جوابات	۲۲۸
۱۲۷	پایۂ ثبوت اور برہمنیت	۲۲۹
۱۲۸	فصل اوّل: پہلا اعتراض اور اس کا جواب (نحن احق بالشك)	۲۳۲
۱۲۹	دوسرا اعتراض اور اس کا جواب (لو لبثت فی السجن)	۲۳۴
۱۳۰	تیسرا اعتراض اور اس کا جواب (انی سقیم)	۲۳۷
۱۳۱	کذب کے معانی کی تحقیق	۲۴۰
۱۳۲	چوتھا اعتراض اور اس کا جواب (قد آدم علیہ السلام)	۲۴۵
۱۳۳	فصل دوم: پانچواں اعتراض اور اس کا جواب (رجم کی تفصیلی بحث)	۲۴۸
۱۳۴	چھٹا اعتراض اور اُس کا جواب (حدیث بول الابل)	۲۶۱
۱۳۵	ساتواں اعتراض اور اس کا جواب (وصیت اور وراثت)	۲۶۷
۱۳۶	آٹھواں اعتراض اور اس کا جواب (قرعہ اندازی)	۲۸۳
۱۳۷	حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ پر ایک الزام اور اس کا رَد	۲۸۴
۱۳۸	اختتام	۲۸۸

فہرست مراجع کتاب ھٰذا

قرآن حکیم

تفسیر:

① الجامع لاحکام القرآن، للامام ابی عبد اللہ القرطبیؒ
② جامع البیان، للامام ابن جریر الطبری
③ احکام القرآن، للامام ابی بکر الحصاص
④ الکشاف، للعلامۃ الزمخشری
⑤ المنار، للشیخ محمد رشید رضا

حدیث

① الصحیح، للامام البخاریؒ
② الصحیح، للامام مسلمؒ
③ المسند، للامام الدارمیؒ
④ عمدۃ القاری، للعلامۃ بدر الدین العینیؒ
⑤ فتح الباری، للامام ابن حجرؒ
⑥ مقدمۃ اشعۃ اللمعات، للشیخ المحقق عبد الحقؒ الدھلوی
⑦ فتح الملہم شرح الصحیح مسلم، للشیخ شبیر احمد عثمانیؒ
⑧ الاربعین للنوویؒ

رجال حدیث

① الاصابہ فی معرفۃ الصحابۃ، للامام ابن حجرؒ
② تذکرۃ الحفاظ للامام الذہبیؒ
③ وفیات الاعیان للامام ابن خلکانؒ
④ تہذیب الاسماء للامام النوویؒ
⑤ حلیۃ الاولیاء المحدث الکبیر ابی نعیمؒ

فقہ واصول فقہ

① الرسالۃ للامام الشافعیؒ
② الاحکام فی اصول الاحکام للعلامۃ الآمدیؒ
③ الموافقات للامام الشاطبیؒ
④ التحریر للامام ابن ھمامؒ
⑤ المستصفی للامام الغزالیؒ
⑥ ارشاد الفحول العلامہ الشوکانیؒ
⑦ کتاب التحقیق
⑧ اصول الفقہ للشیخ الخضریؒ
⑨ الفتاوی الخیریۃ للرملیؒ
⑩ اعلام الموقعین للعلامۃ ابن قیمؒ
⑪ کتاب الخراج للامام ابی یوسفؒ
⑫ کتاب الاحکام للامام ابن حزمؒ
⑬ تاریخ الفقہ الاسلامی الشیخ محمد علی السایس
⑭ المیزان للامام الشعرانیؒ

سیرت و تاریخ

① التاریخ الکامل لابن الاثیرؒ
② البدایۃ والنہایۃ للامام ابن کثیرؒ
③ زاد المعاد للعلامۃ ابن قیمؒ
④ تاریخ بغداد الخطیب البغدادیؒ

لغت

① مفردات القرآن راغب اصفہانیؒ ② لسان العرب ابن منظورؒ
③ تاج العروس للزبیدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

از کلکِ گوہر بار مجاہدِ ملت حضرت العلامہ

مولانا محمد قمر الدین صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف

اسلام کو روزِ اول سے جن فتنوں اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا، اگر کسی دوسرے مذہب کو ان سے واسطہ پڑتا تو وہ اُسے پیس کر رکھ دیتے۔ اس کا شیرازہ بری طرح سے پراگندہ ہوجاتا، اور اس کی خاک تک کو بھی مخالف ہوائیں اڑا چکی ہوتیں؛ اگر ایک شعلہ بجھتا ہے تو دوسرا بھڑک اٹھتا ہے، اگر ایک بغاوت فرو ہوتی ہے تو نئی بغاوتیں رُونما ہوجاتی ہیں، اگر ایک سازش کا خاتمہ ہوتا ہے تو تخریبی عناصر کسی اور خوفناک سازش کا دام ہمرنگِ زمین بچھانے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔

لیکن اسلام ان تُند و تیز طوفانوں میں روشنی کے بلند مینار کی طرح قائم رہا۔ اس کی دلفریب تجلیات تاریکیوں کا سینہ چیرتی رہیں اور گرداب و تلاطم میں پھنسے ہوئے سفینوں کو سلامتی کے ساحل تک پہنچاتی رہیں اور اسلام کا یہ مینار تاقیامت یونہی ضیا پاش رہے گا۔

مجھے قارئینِ کرام کی خدمت میں ایک ایسی کتاب پیش کرتے ہوئے قلبی مسرّت

ہو رہی ہے جو اپنے اندازِ بیان میں دلفریب، اسلوبِ نگارش میں انوکھی اور شکوک و شبہات کے رو میں نہایت بیباک ہے اور جس کا دامن قوی دلائل سے بھرپور ہے۔ جس میں ایک ہولناک سازش کو بے نقاب کیا گیا ہے جس کے تار و پود کو انتہائی مہارت اور عجیب سبکدستی سے بنا جا رہا ہے اور جس پر کمال مہارت سے ایک نظر فریب اور دلکش ملمع کیا جا رہا ہے۔ اس سے میرا مُدعا وہ ناپاک سازش ہے جو سید المرسلین رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سُنّتِ طاہرہ کے خلاف کی جا رہی ہے۔

اس نظریۂ باطل (انکارِ سنّت) کے پیار کرنے والوں کے پاس کوئی مضبوط اور نئی دلیل نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی کئی گم کردہ راہ فرقوں نے ان کا سہارا لیا اور حق و صداقت کے علمبرداروں نے ان کے طلسمِ باطل کو توڑا اور ان کے دلائل کے ضعف، تضاد اور تعصّب کو واشگاف کر کے رکھ دیا۔ وقت اس حقیقت کو آشکار کر دے گا کہ حق کا پلّہ اب بھی بھاری ہے۔ اس کے پاس ایسے ذی استعداد آدمیوں کی کمی نہیں جو اس کی عزّت کی حفاظت کر سکتے ہیں اور اس کی ناموس پر دست درازی کرنے والوں کو کیفرِ کردار تک پہنچا سکتے ہیں اور منکرینِ سنّت کے اس گروہ کو مکر و فریب کی بے پناہ قوتوں کے باوجود عنقریب ہی پتہ چل جائے گا کہ اس کا انجام عبرتناک ناکامی کے سوا کچھ نہیں۔ انھوں نے آج تک ساحرانہ مکاری سے کام لیا ہے اور ساحر جتنی کرّ و فر سے آئے اس کے مقدر میں ذلّت و رسوائی رقم ہو چکی ہے۔

منکرینِ سنّت کہتے ہیں کہ ہم صرف قرآن کریم کی اتباع کریں گے اور ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ ان پر مدت دراز بیت چکی ہے، ماحول بدل گیا، معاشرہ کی ضروریات میں جوہری تبدیلیاں وقوع پذیر ہو گئیں اور اب وہ اقوال و افعال اس قابل نہیں رہے کہ ان پر عمل کیا جا سکے۔ مجھے اپنی حیاتِ مستعار کی قسم، کتنی لغو ہے یہ بات! وہ سنتِ نبویؐ کو ترک کر کے قرآن پر

کیسے عمل کر سکتے ہیں، حالانکہ تا قیامت اتباعِ سنتِ نبویؐ کا حکم قرآنِ حکیم کی بے شمار واضح ترین آیات میں ہے جن کی کوئی تاویل بھی نہیں ہو سکتی اور رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی سے نہایت سختی سے منع کیا گیا ہے اور نافرمانی کی جسارت کرنے والوں کو دردناک عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ کیا وہ قرآنِ کریم کی اس آیت کے مصداق تو نہیں

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرۃ)

ترجمہ:۔ کیا تم کتاب کے کچھ حصّہ پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو، جو تم میں سے ایسا کرے اس کی سزا اس کے بغیر کیا ہے کہ اسے دنیا میں ہی رسوا کیا جائے اور قیامت کے روز تو انھیں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور جو کارستانیاں تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُن سے بے خبر نہیں۔ (اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ)

اسی قسم کی بات جب اپنے عہد کے نادرِ روزگار فاضل، مطرّف بن عبداللہ سے کہی گئی کہ ہمیں قرآن کے بغیر اور کچھ مت سناؤ تو آپ نے فرمایا: بخدا ہم کسی چیز کے لئے ہرگز قرآن چھوڑنا نہیں چاہتے لیکن ہم قرآن سمجھنے میں ایک ہستی کا سہارا لینے پر مجبور ہیں جو قرآن کے اسرار و رموز کو ہم سے کہیں زیادہ سمجھتی ہے[1] (یعنی ذات قدسی صفات رسالت مآب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام)۔ سبحان اللہ! کتنا عمدہ اور دنداں شکن ہے یہ جواب!

[1] الموافقات للامام الشاطبی ج ۴ ص ۲۶۔

حقیقت یہ ہے کہ اتباعِ سنت ترکِ قرآن نہیں بلکہ قرآن کے احکام وارشادات کی ایسی تعمیل کا نام اتباعِ سنت ہے جو منشاء ربانی کے عین مطابق ہے۔

منکرینِ سُنت علماءِ اُمّت پر یہ بہتان بھی لگاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام میں پاپائیت اور برہمنیت کا بدنام روزگار نظام قائم کر دیا اور اس طرح شریعتِ اسلامیہ پر ایک ناقابل برداشت ظلم کیا۔ آخر ان کا اس الزام سے مقصد کیا ہے؟ کیا یہ کہ علماء نے جاہلوں اور بندگانِ ہوا و ہوس کے لئے دینی امور میں فتویٰ بازی کا دروازہ بند کر دیا، تو یہ بجا ہے۔ اور اس پر وہ نازاں ہیں اور اپنی اس فرض شناسی کے عوض وہ اللہ جل مجدہٗ سے بہترین اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔ اور اس کو پاپائیت و برہمنیت سے دور کا واسطہ بھی نہیں، اور اگر اس الزام سے ان کا مقصد کچھ اور ہے تو ازراہِ کرم گستری ذرا وضاحت فرمادیں۔

شاید انہیں پاپائیت و برہمنیت کے ظالمانہ نظام اور ان کی زہرہ گداز کارکردگیوں کا علم ہی نہیں یا علم تو ہے لیکن کسی مصلحت پنہاں کے پیشِ نظر وہ اُسے چھپا رہے ہیں۔ میں بتوفیقہٖ تعالیٰ ان کے بھیانک چہرہ سے نقاب الٹتا ہوں تاکہ آپ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

برہمنیت

جب ہندوستان میں سوسائٹی کو چار طبقات میں تقسیم کیا گیا تو برہمنوں کو سب سے اعلیٰ مقام دیا گیا اور بہت سے خصوصی مراعات سے انہیں نوازا گیا۔ اس طرح انہیں تمام اہل ملک سے برتر مخلوق تصوّر کیا جانے لگا۔ منوشاستر کا مؤلف رقم طراز ہے:۔

"قادرِ مطلق نے مصلحتِ عامہ کے لئے برہمنوں کو اپنے منہ سے، کھشتریوں کو اپنے بازوؤں سے، ویشوں کو اپنی رانوں سے اور شودروں کو اپنے پاؤں سے پیدا کیا۔"

منو دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

برہمن خدا کی پسندیدہ ترین مخلوق ہیں وہ سب کے بادشاہ اور دنیا کی ہر چیز کے مالک و مختار ہیں اور وہ برہمن جو رگ وید کا حافظ ہو وہ بخشا ہوا ہے اگرچہ وہ اپنی زشتی کردار اور گناہوں سے تینوں جہانوں کو برباد کر دے۔ بادشاہ کو انتہائی ضرورت و احتیاج کے وقت بھی برہمنوں سے کوئی ٹیکس وصول کرنے کا اختیار نہیں۔ اگر کوئی برہمن سزاءِ قتل کا مستحق ہو تو حاکم اس کو قتل کرنے کا مجاز نہیں۔ وہ صرف اس کا سر مونڈ سکتا ہے، حالانکہ غیر برہمن پر سزائے قتل نافذ کی جائے گی۔ اگر کوئی اچھوت کسی برہمن کو مارنے کے لئے ہاتھ یا سوٹی بڑھائے گا، اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے غصہ سے ٹھوکر ماری تو اس کا پاؤں کاٹ دیا جائے گا اور اگر اس نے گالی نکالی تو زبان کاٹ دی جائے گی اور اگر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ کسی برہمن کو پڑھاتا ہے تو کھولتا ہوا تیل اُس کے مُنہ میں انڈیل دیا جائے گا۔"[1]

یہ ہیں وہ ظالمانہ اختیارات و امتیازات جو ہندی معاشرہ میں برہمنوں کو حاصل تھے۔ میں آپ کو خدائے ذوالجلال کے نام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا کسی عالم نے ان امتیازات میں سے کسی ایک کا بھی دعویٰ کیا۔ کیا آپ نے کسی کی زبان سے یہ سُنا کہ اُس کا جسم دوسرے انسانی اجسام سے اعلیٰ اور پاکیزہ تر ہے اور اگر اس سے کوئی جُرم سرزد ہوا تو اسے سزا نہیں دی جائے گی؟ یا اگر اس نے بے گناہ قتل کیا تو قصاص سے وہ مستثنیٰ ہے؟ یا اگر اس سے ایسا جُرم صادر ہوا جس کے ارتکاب پر شریعت نے کوئی حد مقرر کی ہے تو وہ حد اُس پر جاری نہیں کی جائے گی؟

---

[1] ماذا خسر العالم لابی الحسن الندوی ۲/۴۱

اسلام کا کوئی بدترین دشمن بھی ان کا جواب اثبات میں نہیں دے سکتا تو پھر ان قلموں کو کیا کہئے جو ان نفوس قدسیہ پر اندھا دھند الزام لگانے میں مصروف ہیں جنہوں نے عمر بھر دل وجان سے اس دین حنیف کی پاسبانی کی۔ کتنی ہی اچنبے کی چیز ہے ان کی یہ بے سروپا الزام تراشی!

پاپائیت

یورپ میں کئی صدیوں تک پاپائیت کو انتہائی جلال وتمکنت حاصل رہی۔ تاج وتخت خداوندانِ کلیسا کے دستِ تصرف میں تھے۔ فقط وہی خوش نصیب ان کا مستحق سمجھا جاتا جسے پوپ اعظم کی خوشنودی کا پروانہ میسّر ہوتا اور جس کی طرف پوپ کی عتاب آلود نگاہیں اٹھ جاتیں اُسے خلعتِ شاہی اتارے بغیر بن نہ آتی۔ پاپائیت کے عہدِ اقتدار کی تاریخ طویل ہے، اس کے بیان کی یہاں گنجائش کہاں؟ میں صرف قانونی نقطۂ نظر سے اس کے متعلق کچھ کہوں گا۔

پروفیسر کینی نے اپنی کتاب Kenays out lines of criminal law کے صفحہ ۵۷ پر اور یورپ کے دیگر ماہرین نے اپنی گراں مایہ تصانیف میں اس کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

قسیسوں اور کلیساؤں کے خدام کو بے حد وقید خصوصی امتیازات وحقوق حاصل تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ عام عدالتوں کو ان کے محاسبہ کا اختیار نہ تھا، خواہ ان کے جُرم کی نوعیت کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہوتی۔ بلکہ ان کے لئے خاص عدالتیں تھیں جن کا صدر ایک پادری ہوا کرتا۔ مجرم پادری کو بری ثابت کرنے کے لئے خاص وسائل سے کام لیا جاتا اور اگر اس کو بری کرنا کسی صورت میں ممکن نہ ہوتا تو انہیں صرف یہ سزا دی جاتی کہ انہیں اپنے منصب سے گرا دیا جاتا

یا زیادہ سے زیادہ اسے کچھ عرصہ کے لئے قید کر دیا جاتا اور کوئی حاکم خواہ اس کا قانونی عہدہ کتنا ہی اعلیٰ ہو اس بات کا مجاز نہ تھا کہ بے گناہ آدمی کے دانستہ قتل کے مرتکب پادری کو وہ پھانسی کی سزا دے۔

لیکن اسلام انسان اور انسان میں کسی ایسے امتیاز وتفریق کا قائل نہیں۔ حاکم مطلق وہ خالق کائنات ہے اور اسلامی عدالتوں کا یہ فرض اولین ہے کہ اس کے تمام احکام کو ان کی تمام شقوں اور تفصیلات کے ساتھ نافذ کریں۔ ہر شخص خواہ وہ سلطانِ وقت ہو یا معاشرہ کا عام فرد، وہ مجبور ہے کہ وہ ان عدالتوں کے سامنے پیش ہو۔

اے معترضینِ کرام! آپ کے پاس تاریخ کے لاتعداد دفاتر اور قانونِ اسلامی کی اَن گنت کتابیں ہیں۔ ان کی ورق گردانی کیجئے۔ صفحہ صفحہ اور سطر سطر کھنگال دیجئے اور رب قدوس کو شاہد بنا کر بتائیے کہ کیا آپ کو ایک ایسا قانون دستیاب ہوا ہے جس نے علماء کو مستثنیٰ کیا ہو یا کسی ایسے قول کی سراغ رسانی میں آپ کامیاب ہوئے ہیں جس میں کسی عالم نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ احکامِ الٰہیہ سے فلاں حکم اس پر نافذ نہیں ہو سکتا۔

اگر آپ اپنے اعوان وانصار سمیت مدت العمر کوشاں رہیں تو آپ ایسی کوئی چیز پیش کرنے سے قاصر رہیں گے۔ اگر آپ آج تک ایسی کوئی چیز پیش نہیں کر سکے اور آئندہ بھی ہرگز پیش نہیں کر سکیں گے تو خدا کا خوف کیجئے اور اس ہرزہ سرائی کو بند فرمائیے۔

اس مختصر سے پیش لفظ کے ساتھ میں آپ کی خدمت میں ایک جلیل القدر کتاب پیش کرتا ہوں جس کی تالیف کا شرف عزیزم ابو الحسنات محمد کرم شاہ الازہری (بھیرہ، ضلع سرگودھا، پنجاب) کو حاصل ہے۔ اس کی یہ مجاہدانہ کوشش

مستحق تبریک و تحسین ہے۔ اس میں اس نے اس مہلک مرض کے کامیاب علاج کی نہایت کامیاب اور مخلصانہ کوشش کی ہے۔ رشک کرنے والوں کو ایسے کام میں رشک کرنا چاہئے۔

آخر میں میں بارگاہِ الٰہی میں اس کی رحمت و کرم کا دامن تھام کر التجا کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو اپنے حضور میں شرفِ قبولیت عطا فرما دے اور اس کے مؤلف کو شرحِ صدر کی نعمت سے نوازے تاکہ ایسے پیچیدہ مسائل میں جہاں عقلِ انسانی اُلجھ کر رہ جاتی ہے، دامنِ حق اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے اور جب انسانی قوتیں جواب دینے لگیں تو ہمیشہ رُوح القدس سے اس کی تائید و نصرت فرمائے اور صراطِ مستقیم پر جہاں لوگوں کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں، اسے ثبات و استقامت نصیب فرمائے آمین یارب العالمین۔

فقیر محمد قمرالدین سیالوی

غفراللہ ذنوبہ وستر عیوبہ

۱۱ ربیع الآخر ۱۳۷۳ھ

انتساب

اُن ادب آموز اور رُوح پرور نگاہوں کے نام!
اُن ایمان افروز اور یقین افزا پیاری باتوں کے نام!
اُن بلند عزائم اور پاکیزہ مقاصد کے نام!
محبت کی اُن دلنوازیوں کے نام!
اُن دُعاہائے نیم شبی اور گریہ ہائے سحری کے نام!

جن سے

پدر بزرگوارم تقدس مآب حضرت پیر **محمد شاہ** صاحب

قدس سرہٗ العزیز

بھیرہ ضلع سرگودھا پنجاب

نے

اِس مُشتِ خاک کو سرفراز فرمایا

(محمد کرم شاہ)

میری ساری عرضداشت کا حاصل

بمنزل کوش مانندِ مہِ نو

دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر

بحق دل بند و راہِ مصطفٰی رَو

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

(اقبال)

آغازِ سخن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العلمین الذی منّ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰلٍ مبین۔ (و) تبارک الذی نزل الفرقان علٰی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا۔ الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض ولم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک وخلق کل شیءٍ فقدرہ تقدیرا۔

وافضل الصلوٰۃ واطیب السلام علٰی سید الخلق محمد رحمۃ للعلمین الذی ارسل ھادیا للضالین ومرشدا للتائھین ومخرج الناس من الظلمات الی النور کانہ کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونیۃ لاشرقیۃ ولاغربیۃ یکاد زیتھا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار۔ نور علٰی نور۔ یھدی اللہ لنورہ من یشاء وعلٰی اٰلہٖ واصحابہ ومن اتبع سنتہ باحسان الٰی یوم الدین۔

اللھم انی ابرئ من حولی وقوتی الی حولک وقوتک واسالک الھدایۃ والرشاد۔ ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا۔ ربنا علیک توکلنا والیک انبنا والیک المصیر۔ انت نعم المولٰی ونعم النصیر۔

اما بعد:

خیابان ہستی اُجڑا پڑا تھا۔ خزاں کی چیرہ دستیوں سے گلوں کی نکہت افشانیوں اور عنادل کی نغمہ ریزیوں کی یاد تک بھی گلدستۂ طاقِ نسیاں بن چکی تھیں۔ روشیں ویران تھیں اور آب جوئیں خشک۔ جہاں کبھی سبزۂ نو دمیدہ جنّت نگاہ ہوا کرتا تھا وہاں خاک اُڑ رہی تھی۔ یاس و قنوط کی ایک ہمہ گیر کیفیت طاری تھی کہ اچانک فاران کی چوٹیوں سے ایک گھنگھور گھٹا اٹھی جس کا ہر قطرہ بہار آفریں اور جس کا ہر چھینٹا فردوس بداماں تھا۔ یہ گھٹا برسی اور خوب دل کھول کر برسی یہاں تک کہ گلزارِ عالم میں پھر آثارِ حیات نمودار ہونے لگے۔ انسانیت کے پژمردہ چہرے پر پھر شباب و قوت کی سرمستیاں ظہور پذیر ہونے لگیں۔ خودداری و عزتِ نفس، شجاعت و ایثار کے افسردہ درختوں کی عریاں شاخوں کو از سرِ نو خلعتِ برگ و بار عطا ہوئی۔ قمریوں نے پھر عفتِ قلب و نظر کا نغمہ چھیڑا۔ توہمات و عقائدِ باطلہ کے قفس کی تیلیاں ایک ایک کر کے ٹوٹیں اور ہمائے بشریت کو توحید کی مقدس و مطہر فضاؤں سے پھر دعوتِ پرواز آنے لگی۔

دنیا والوں نے اس شوخ و شنگ اور خیرات و برکات سے بھرپور گھٹا کو "محمد" (بہت ہی تعریف کیا گیا) صلی اللہ علیہ وسلم کے دلنواز نام سے پکارا۔ عالمِ بالا کے مکینوں نے اسے "احمد" (اپنے رب کا سب سے زیادہ ثنا خواں) کہا لیکن حقیقت کی دلفریبیوں سے نقاب اس وقت اٹھا جب اس کے خالق و پروردگار نے اُسے اپنی کائنات سے یوں رُوشناس کیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء)

(اے حبیب!) ہم نے تجھ کو تمام جہانوں کے لئے صرف سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اگر انسان اپنے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا۔ اس چراغِ روشن سے تاریکیوں کے سینے چیرتا ہوا اس کی دکھائی ہوئی شاہراہ پر عزم و ہمت سے گامزن رہتا۔ اپنی سبک خرامی کو نفس کی رذیل خواہشات کی زنجیروں سے جکڑ نہ دیتا، تو کاروانِ انسانیت جو ابھی تک اِدھر اُدھر بھٹک رہا ہے۔ آج اس اعلیٰ و ارفع منزل تک پہنچ گیا ہوتا جس کی جستجو کی تڑپ اس کی فطرت میں پنہاں ہے۔

لیکن صد حیف! کہ ایسا نہ ہوا۔

آفتابِ ہدایت طلوع ہوا تو

اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا

"زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھی" دریا و صحرا، کوہ و دمن میں اُجالا ہو گیا اور ظلمتوں کو ویران گوشوں اور عمیق غاروں کی گہرائیوں کے سوا کہیں پناہ نہ ملی۔ لیکن ان عادی مجرموں کے عشرتکدوں میں صفِ ماتم بچھ گئی جو رات کے گھپ اندھیروں میں ڈاکے ڈالتے تھے۔ ظلم و استبداد کے تاج و تخت کے وارثوں، اور مالک و مملوک اور رئیس و مرؤس کے تفرقوں سے اپنی قوت حاصل کرنے والوں کو اسلام کے عدل و انصاف اور حریت و مساوات کے اصولوں نے آتشِ زیر پا کر دیا۔ وہ چیخ چیخ کر اپنے خداوندانِ باطل سے فریاد کرنے لگے۔

سینۂ ما از محمّد داغ داغ — از دمِ او کعبہ را گل شد چراغ
از ہلاکِ قیصر و کسریٰ سرود — نوجواناں را ز دستِ ما ربود
مذہبِ او قاطعِ ملک و نسب — از قریش و منکر از فضلِ عرب
در نگاہِ او یکے بالا و پست — با غلام خویش بر یک خواں نشست
اے ہبل! اے بندہ را پوزش پذیر — خانۂ خود را ز بے کیشاں بگیر
انتقام از وے بگیر اے کائنات (جاوید نامہ)

چشمِ فلک پیر نے وہ بے شمار معرکے دیکھے۔ جب باطل اپنے تمام شکوہ و جبروت سے مسلح ہو کر حق کی بے سامانیوں سے نبرد آزما ہوا اور ہر بار حق کی قوتِ

یقین سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا۔

لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ خود مسلمانوں میں ایسے فرقے اور افراد پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کے حصارِ محکم کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے میں اپنی تمام تر قابلیتیں صرف کر دیں جن کو ہوسِ جاہ و مال نے یوں مسخر کر لیا کہ وہ ملّت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے سے بھی باز نہ آئے، جنہوں نے اپنی شخصی اور وقتی مصلحتوں پر ملّت کے مجموعی اور ابدی مفاد کو قربان کر دیا۔ یہ آزمائش بہت حوصلہ شکن اور رُوح فرسا تھی۔ تاریخ کا ایک ابتدائی طالب علم بھی اس حقیقت سے ناآشنا نہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو جو نقصان ان مارہائے آستین کی زہر چکانی سے پہنچا، اس کے سامنے وہ نقصان ہیچ ہے جو تاتاریوں کی بربریت اور فرڈیننڈ[1] کے قتلِ عام سے ہوا۔

یہ سب لوگ مصلحین کا لباس پہنے ہوئے جلوہ افروز ہوئے۔ اُن کی آنکھیں پُرنم تھیں، اُن کے لبوں پر سرد آہ تھی۔ اُن کی زبان غمِ ملّت میں مرثیہ خواں تھی۔ اُن کا قلم اُمت کے مصائب پر نوحہ کناں تھا۔ ان کی تقریروں، ان کی تحریروں میں بلا کی فصاحت و بلاغت تھی، لیکن ان کا اندازِ فکر اور طرزِ عمل مفسدانہ تھا۔ ان کا مقصد اُمت کا شیرازہ بکھیرنا تھا۔ ان کے پیشِ نظر اپنی خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل تھی۔ ہر ایک نے اپنی بساط و استعداد کے مطابق ملّت میں نئی ملّت تخلیق کی اور اسی قصر سے اینٹیں اور پتھر اُکھیڑ کر اپنے لئے نئے نئے ایوان تعمیر کئے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے مخلص و پاکباز بندوں کے ذریعہ سے اگر ان مدعیانِ اصلاح و تجدید کا راز فاش نہ کرتی تو معلوم نہیں، ان کی کوششیں کیا گل کھلاتیں۔ علماء کرام کے مسلسل جہاد اور پیہم تگ و دو کے باوجود آج بھی بعض فرقے جسمِ ملّت پر ناسور

[1] فرڈیننڈ اسپین کے اس بادشاہ کا نام ہے جس کے حکم سے اسپین کے کروڑوں مسلمانوں کو یا تو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا یا زبردستی عیسائی بنا لیا گیا۔

بنے ہوئے ہیں۔ جو ہر نازک موقعہ پر اس کے لئے کرب و اذیت کا باعث بنتے رہتے ہیں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کے ترکش میں ابھی کئی زہر آلود پیکان اور باقی ہیں جو قلبِ مؤمن میں پیوست ہونے کے لئے کسی مشّاق تیر زن کے منتظر ہیں۔ ابھی مسلمانوں کی آزمائش کے لئے بہت سی قیامتیں اس کی قبا میں پنہاں ہیں۔ شاید ؎

کریں گے کوہ کن کے حوصلے کا امتحان آخر
ہنوز اس خستہ کے نیروئے تن کی آزمائش ہے

انگریزی استعمار نے مرزائے قادیان کی جھوٹی نبوت کی تخلیق کی اور پھر اپنے جبروت و استبداد کی پناہ میں اس کی تربیت و پرورش کر کے ملّت کی وحدت پر جو ضرب کاری لگائی اس کا زخم ابھی مندمل ہونے نہیں پایا کہ اب ایک اور فتنہ پَر پُرزے نکال رہا ہے۔ اور یہ ہے

فتنۂ انکارِ سُنّتِ نبویؐ

منکرینِ حدیث کا کہنا ہے کہ قرآنِ کریم کی وہ تفسیر جو اس ذاتِ اقدس و اطہر نے کی، جس کے قلبِ منیر پر اس کا نزول ہوا وہ فرسودہ ہو چکی ہے اس لئے ناقابلِ عمل ہے، انہیں کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے تلمیذِ رحمان اور انسانیت کے معلّمِ اعظم کے حضور میں زانوئے ادب تہ کرنے میں خجالت محسوس ہوتی ہے۔

وہ نورِ تاباں، وہ قطروں کو تابشِ آفتاب اور ذرّوں کو تابانیٔ مہر بخشنے والا نور، وہ بالا و پست، کون و مکان کو قبائے ضیا مرحمت فرمانے والا نور جس کے متعلق اُس کے خالق نے فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (المائدۃ)

بیشک آیا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب۔

وہ نور اب اِن کی نظروں میں پرانا ہو چکا ہے۔ اس لئے اب وہ عقل کے ٹمٹماتے ہوئے دِیے سے اِکتسابِ تنویر کریں گے۔ وہ دِیا جس کی لپٹوں میں ایٹم بم کی ویرانیاں اور ہائیڈروجن بم کی بربادیاں سمٹی ہوئی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ منکرینِ سنتِ نبویؐ نے نہایت غور و فکر کے بعد یہ قدم اُٹھایا ہے ان کے سامنے اپنے پیش رووں کی فنی غلطیاں ہیں وہ ان کے تلخ تجربوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی کاغذ کی ناؤ کو ان موجوں سے تر نہیں کرنا چاہتے، جنہوں نے اس سے پہلے سینکڑوں کاغذی کشتیوں کو غرق کر دیا۔ وہ اس چٹان سے دامن بچا کر نکلنا چاہتے ہیں، جس سے ٹکرا کر فتنہ و فساد کے کئی سفینے ٹوٹ چکے ہیں۔

وہ یہ جانتے ہیں کہ جب تک جادۂ زیست پر اس کملی والے کے نقوشِ پا موجود ہیں اس وقت تک ان کی قافلہ سالاری کا چراغ نہیں جل سکتا۔ اس لئے وہ ان نقوش کو ناپید کر دینے کے خواہاں ہیں اور جب ایسا نہیں کر سکتے تو ان نقوش کو مشتبہ کرنے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر رہے ہیں۔

انھیں معلوم ہے کہ جب تک زبانِ رسالتؐ قولِ خداوندی کی شارح و مفسّر ہے، ان کی تشریح و تفسیر ناقابلِ التفات رہے گی۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ اس عقیدہ کو ہی دلوں سے نکال دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی شرح و تفسیر کا منصب صرف اپنے برگزیدہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو سونپا ہے تاکہ وہ اپنی من مانی تفسیر لوگوں سے منوا سکیں۔

ان سے مخفی نہیں کہ اس تیرہ سو سال سے زائد عرصہ میں شیرازۂ ملّت کو پراگندہ کرنے کے لئے جو تحریک بھی اٹھی وہ ارشاداتِ نبویؐ کی صلابت و پختگی سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔ اس لئے وہ اس اندوہناک انجام سے بچنے کے لئے

سنتِ نبویؐ سے جو ملّت کی سالمیت کی ضامن ہے، ملّت کا رشتہ پہلے سے ہی قطع کر دینا چاہتے ہیں۔

اس خطرناک مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے وہ چند مخصوص ہتھیاروں سے کام لے رہے ہیں جن کے استعمال کے طریقوں میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن جن کی نوعیت نہیں بدلتی۔ جن کی تفصیل توبتوفیقہٖ تعالیٰ آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی یہاں صرف ان کا طائرانہ جائزہ لیا جاتا ہے تاکہ قارئین حضرات ان نکات کو ہمیشہ زیرِ نظر رکھیں۔

۱۔ وہ اس خیال کو دلوں میں جاگزیں کر دینا چاہتے ہیں کہ قرآنِ کریم اور سنتِ نبویؐ دو متضاد چیزیں ہیں۔ ان میں باہمی بہت بتائن اور اختلاف ہے۔ ایک پر عمل کرنے سے دوسرے پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بجائے اس کے قرآن کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا جائے، یہ ضروری ہے کہ حدیث کو متروک قرار دے کر قرآن پر عمل کیا جائے۔

۲۔ وضعی قوانین جو انسان کی محدود اور اپنے مخصوص ماحول سے متاثر عقل کی پیداوار ہوتے ہیں کیونکہ انھیں استقرار اور دوام نصیب نہیں ہوتا اور وہ ہر لحظہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس نظریۂ تطور کو جو انسان کے وضع کردہ قانون کی جوہری صفت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات پر چسپاں کیا جاتا ہے اور یہ ثابت کرنے کے لئے وہ اپنا انتہائی زور صرف کر رہے ہیں کہ تشریعِ قوانین میں نبوت و رسالت کا وہی مقام ہے جو کسی ملک کی مجلسِ قانون ساز کا ہوتا ہے اور نبی و رسول کی وہی حیثیت ہے جو مجلسِ قانون ساز کے کسی رکن کی یا زیادہ سے زیادہ کسی سلطنت کے حاکمِ اعلیٰ کی ہوتی ہے۔ اس لئے نبی کے اقوال بھی صرف ایک خاص زمانہ

کے لئے مفید ہیں۔ اس کے بعد ان کا ترک کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

۳۔ ایک زمانہ میں وضع حدیث کی جو وبا پھوٹی تھی اور جس کو اولوالعزم علماء کی مسلسل و پیہم کوششوں نے ابدی نیند سلا دیا تھا۔ اس کچلی ہوئی مُردہ تحریک کو ضد قرار دے کر احادیثِ نبویؐ کے تمام ذخیرے کو موضوع و ناقابلِ اعتماد قرار دینے کی سعی کی جا رہی ہے۔

۴۔ اسلام کے اُن علماء و فضلاء جن پر علم و دانش نازاں ہیں۔ جن کی جرأت و بیباکی استغناء و بے نیازی پر انسانیت فخر کر رہی ہے۔ جن کے اخلاص و للّٰہیت کی قسم فرشتے کھا سکتے ہیں ان علماء پر یہ اتہام لگانے میں اپنا زورِ بیان صرف کیا جا رہا ہے کہ وہ جاہل تھے۔ قرآنِ کریم میں تحریف کیا کرتے تھے۔ اپنے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف جھوٹی روایتیں منسوب کرتے تھے۔ انہوں نے قوم کے قوائے عملیہ و عقلیہ کو جھوٹی حدیثیں سُنا سُنا کر مفلوج کر دیا تھا۔

اِس طرح وہ اپنی قوم کو اس کی درخشاں و تاباں ماضی سے مایوس بلکہ متنفر کرنے کے بعد ان کے سامنے اپنی قرآن فہمی، خوفِ خدا، حبِ رسولؐ اور دردِ ملّت کی بیتابیوں کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

یہ ہیں اُن کے وہ چار ستون جن پر اُن کے استدلال کی عمارت قائم ہے یہ ہے اُن کا مرکزی نقطۂ فکر جس کے گرد ان کی جدلی منطق گردش کرتی ہے۔

وہ شخص جس کی نظر قرآنِ کریم پر ہے۔ جس کو احساسِ کمتری نے اپنی قوم کی قابلِ فخر تاریخ سے متنفر نہیں کر دیا۔ جسے علماء حدیث کی کامیاب جانفشانیوں کا مطالعہ کرنے کی فرصت ملی ہے۔ اس کے نزدیک تو یہ دلائل بے جان ہیں اور فریب و تضلیل کے اس جال کی عنکبوتی تاروں میں اتنی قوت نہیں کہ اسے اپنی گرفت میں لے سکیں۔

کاش ہم سب ایسے ہوتے! کاش ملّت کا ہر فرزند شکوک و شبہات کی یورشوں میں ناقابلِ تسخیر قلعہ ثابت ہوتا۔

لیکن شومئ قسمت! کہ ہم میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جنہیں شیکسپیئر و برنارڈ شا کے ڈراموں اور ڈوزوتھ اور ٹینی سن کی پوئٹری نے فرصت ہی نہیں دی کہ وہ اپنے چشمۂ حیات کی طرف بھی التفات کر سکیں ہم میں ایسے قانون دان بھی ہیں جن کی ساری عمر ہر آن بدلنے والے وضعی قوانین کے مطالعہ میں گزری ہے اور اب وہ ایسے قانون کو جامد اور ناقابلِ عمل سمجھتے ہیں جس میں ثبات و استقرار ہو۔ خواہ اس کا فیض سورج کی طرح پُرانا، اور اس کی تاثیر سورج کی پرانی کرنوں کی طرح ہر وقت حیات بخش اور رُوح آفرین ہو۔ اس لئے وہ یہ فرق کرنے سے قاصر ہیں جو انسانی تشریع میں ہوتا ہے، جو اللہ کا رسولؐ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔

ہم میں ایسے مورخ بھی ہیں جن کے نزدیک علم و تمدّن کی پہلی تجلّی انقلابِ فرانس کے بعد پھوٹی اور اُن کا خیال ہے کہ اس سے پہلے دُنیا جہالت و توہمات، بربریت و وحشت کی تیرگیوں میں لپٹی ہوئی تھی۔

ایسے حضرات کے نزدیک یہ دلائل ناقابلِ تردید ہیں، یہ نظریئے مسلّم ہیں اور یہ واقعات تاریخ کی اٹل حقیقتیں ہیں۔ ایسے لوگوں میں "انکارِ سنت نبویؐ" کی تحریک سے متاثر ہونے کا قوی احتمال ہے اس لئے اس کے سدّباب کے لئے ان بہی خواہانِ ملّت کو ابھی سے کوشش کرنی چاہئے۔ جن کے دلوں میں شریعتِ اسلامیہ کی عظمت ہے اور جن کے نزدیک قوم کی وحدت و سالمیت کی کچھ وقعت ہے۔

میں نے آیندہ صفحات میں اپنی بساط واستعداد کے مطابق یہ سعی کی ہے کہ ان شکوک وشبہات کا تسلی بخش جواب دیا جائے، جو منکرینِ سنت کی طرف سے نہایت شد و مد سے پیش کئے جا رہے ہیں۔ کتاب کے پہلے حصّہ میں اس ناپاک کوشش کا بطلان کیا ہے جو قرآن وحدیث میں تضاد و تباین ثابت کرنے کے لئے کی جارہی ہے۔ میں نے یہ واضح کیا ہے کہ قرآن وسنت میں بے مثل ہم آہنگی اور بے نظیر ارتباط ہے اور ان کا باہمی تعلق اجمال وتفصیل اور مفسر و تفسیر کا ہے اور یہ تفصیل و تفسیر بھی ہدایتِ خداوندی کے مطابق کی گئی ہے اور اتباعِ سنّت واتباعِ قرآن دونوں واجب ہیں۔

اس کے بعد اس کذب بیانی کا پردہ چاک کیا گیا ہے جو روایت حدیث اور تدوینِ حدیث کے متعلق نہایت بے باکی سے کی جارہی ہے۔ وضع حدیث کے فتنے اور اس کے سدّباب کے لئے علماءِ اُمّت نے جو بے مثل جانفشانیاں کی ہیں۔ ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ان پاسبانانِ علومِ رسالت وحاملانِ علم ودانش کے مختصر احوال قلمبند کر دیئے ہیں۔ جن کے محیر العقول کارنامے سپہرِ علم وحکمت پر تاقیامت مہر و ماہ بن کر ضوفشاں رہیں گے۔ تاکہ اس سوءِ ظن کا قلع قمع ہو سکے جو اُمّت کے اُن بے لوث محسنوں کے متعلق نہایت زور وشور سے دلوں میں پیدا کیا جارہا ہے۔

بعد ازیں اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کے علوم کے چند ابتدائی اور بدیہی قواعد بیان کئے گئے ہیں جن سے سنتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریعی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ جن کے جاننے سے بہت سے شکوک وشبہات از خود کافور ہو جاتے ہیں۔ شریعتِ اسلامیہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے جن کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

آخری حصّہ میں ان اعتراضات کا استیصال کیا گیا ہے جو منکرینِ سنت بعض مخصوص احادیث پر کرتے ہیں، جن میں سے کسی حدیث کو قرآن کریم کے خلاف کسی کو عقل کے مخالف، کسی کو اخلاقی معیار سے گرا ہوا، کسی کو وقتی مصلحتوں کے منافی قرار دے کر ان پر خطِ تنسیخ کھینچ دیتے ہیں اور بقیہ سنن واحادیث کو بھی ان چند احادیث پر جن کو وہ اپنے زعمِ باطل میں ناقابلِ عمل گردان چکے ہوتے ہیں، قیاس کر کے منسوخ کر دیتے ہیں۔

مجھے اپنی کوتاہ دستی کا پورا احساس ہے پھر بھی مبداءِ فیاض کی ذرہ نوازیوں اور کرم گستریوں سے کامل امید ہے کہ یہ سعی ناتمام ہی سہی، بہت سے شکوک و شبہات کے ازالہ کا باعث ہوگی۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ بجاہ حبیبك الکریم علیه الصلوٰة والتسلیم۔

میں محترم مولانا محمد اطہر صاحب نعیمی کا تہ دل سے مشکور ہوں جن کے پیہم تقاضوں نے مجھے اس فرض کی ادائیگی کی طرف متوجہ کیا اور مجھے مجبور کر دیا کہ میں اپنی تعلیمی مصروفیات کے باوجود اس کے لئے وقت نکالوں۔

اور مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ الاستاذ الفاضل القاضی مظہر الدین احمد صاحب بلگرامی (استاذ دینیات جامعہ علی گڑھ) متخصص کلیۃ اصول الدین ازہر کے قیمتی مشوروں نے مجھے اس کتاب کے مرتّب کرنے میں بہت مدد دی۔

ابوالحسنات محمد کرم شاہ متعلم قسم التخصص کلیۃ الشریعۃ
الجامعۃ الازہر۔ صفر ۱۳۷۳ھ

منزل ۵۷۔ شارع ۱۰ المعادی
القاهرة

بابِ اوّل

اپنا مدعیٰ پیش کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان دلائل و براہین کا جائزہ لیا جائے جو سنّتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے منکرین کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔ ان دلیلوں کے سمجھ لینے کے بعد ہی ہم پر ان کا موقف واضح ہوسکتا ہے اور ہم اس مقام کی نشان دہی کرسکتے ہیں جہاں ان کو ٹھوکر لگی اور پھر ان کی غلط فہمیوں اور شبہات کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔

ترکِ سنّت کی دلیل

اس چیز کو ثابت کرنے کے لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی اطاعت اب اُمت پر فرض نہیں۔ وہ جو سب سے مضبوط اور عقلی دلیل پیش کرتے ہیں وہ انہیں کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

وہ لکھتے ہیں :-

۱ — فطرت انسانی کے بنیادی تقاضے ایسے ہیں جو ماحول سے متاثر نہیں ہوتے اور مرورِ وقت سے ان میں تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں پڑتی۔

۲ — اور اُس کے معاشرتی اور تمدنی زندگی کے ایسے تقاضے بھی ہیں جو زمانہ کی ضروریات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

اس لئے شریعت مشتمل ہوگی۔

۱ — ان ناقابلِ تغیر جزئیات پر جو قرآن نے خود مقرر و متعین کردی ہیں اور جو معدود ے چند ہیں۔

۲ — اور ان تفاصیل و جزئیات پر جو قرآنی اصولوں کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ہر زمانہ کی ملّتِ اسلامیہ قرآنی قاعدوں کے مطابق خود وضع کرے گی۔

ان مقدمات کو ترتیب دینے سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جو تفاصیل اور جزئیات متعین فرمائی ہیں وہ صرف اس زمانہ کے لئے تھیں، جب کہ تمدنی اور معاشرتی تقاضے محدود تھے اور وہ زمانہ کی بدلتی ہوئی ضروریات کا ساتھ نہیں دے سکتیں اس لئے اس زمانہ کے بعد ارشاداتِ نبویؐ کی کوئی قانونی قدر و قیمت باقی نہیں رہی۔

وقت کا خلیفہ اور امیر اپنے حالات کے پیشِ نظر احادیثِ نبویؐ کے خلاف حکم صادر کرسکتا ہے اور اس وقت اسی حکم کی تعمیل عین اطاعتِ رسولؐ ہوگی۔

اس دلیل کا رَد

اِن خداوندانِ علم و دانش کی بارگاہِ ادب میں اگر اذنِ لب کشائی ملے تو ہم بھی عرض کریں کہ آپ کی یہ بات درست ہے کہ فطرتِ انسانی کے بنیادی تقاضے ایسے ہیں جو ماحول سے متاثر نہیں ہوتے اور اس کے معاشرتی اور تمدنی زندگی کے ایسے تقاضے بھی ہیں جو زمانہ کی ضروریات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ انہوں نے کیسے اخذ کرلیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور حضورؐ کی متعین فرمودہ تفاصیل و جزئیاتِ زندگی کے صرف ایسے تقاضوں کی تسکین کا باعث تھیں جو اس غیر متمدن زمانہ سے مخصوص تھے اور جو اَب مرورِ وقت سے بالکل بدل چکے ہیں اور یہ حیاتِ انسانی کی سرمدی اور غیر متبدل تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں۔

ان کے پہلے دو مقدمے جو واقعی بدیہی ہیں ان سے تو ہرگز یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا اس تعین کے لئے ایک مستقل دلیل درکار ہے جسے انھوں نے ذکر نہیں فرمایا۔

اور اپنے مخاطب کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر جھٹ یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ کیونکہ بعض معاشرتی اور تمدنی تقاضے ہر لحظہ بدلتے رہتے ہیں اور جو قوانین ان ہنگامی تقاضوں کی وجہ سے معرضِ وجود میں آتے ہیں وہ ان تقاضوں کے بدل جانے کے بعد ناکارہ ہو جاتے ہیں، کیونکہ ایسا ہوتا ہے اس لئے سنتِ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ایسی ہی ہے۔ وہ خود ہی سوچیں کہ ایسی دلیل سازی سے ایک غور و فکر سے کام لینے والا شخص کیسے مطمئن ہو سکتا ہے؟

اور اگر وہ یہ کہیں کہ اس زمانہ میں سنتِ نبوی کے ناقابلِ عمل ہونے پر عقل شہادت دے رہی ہے تو ہم عرض کریں گے کہ کیا وہ عقل کے اس فتویٰ کو بھی تسلیم کرتے ہیں، جو اس نے اپنی نارسائی اور حقیقت ناشناسی کے باعث ان جزئیات و تفصیلات کے متعلق صادر فرمایا جو خود قرآنِ کریم نے متعین کی ہیں کیا قرآن کی متعین کردہ حدود، وارثوں کے حصوں کی تقسیم، نکاح و طلاق اور حرمتِ ربا کے احکام پر ہر زمانہ کے عقلمندوں نے اعتراضات نہیں کئے۔ کیا ترکی کے زیرک قانون دانوں نے (جو مسلمان ہی تھے) یہ صاف صاف نہیں کہا کہ وراثت میں مرد کو عورت سے دوگنا حصّہ دینا سراسر عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ جرائم و فحش کاری کے انسداد کے لئے قرآن میں جو صریح طور پر احکام مذکور ہیں جن کی کوئی تاویل بھی نہیں کی جا سکتی کیا اسے وحشت و بربریت کی علامت نہیں قرار دیا جاتا؟ کیا اپنے ماہرینِ اقتصادیات کو مسلمانوں کی زبوں حالی کا الزام سود کی حرمت پر لگاتے ہوئے بارہا نہیں سنا؟ تو اگر آپ تقاضوں کی اس تقسیم میں عقل کا فیصلہ ہی آخری اور اٹل مانتے ہیں تو سنّت تو کجا خود قرآنِ پاک کی بیان کردہ تفصیلات پر بھی خطِ تنسیخ کھینچنا پڑے گا۔

اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ ہم ہر اس فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں جو عقل کے نام سے صادر کیا جائے بلکہ ہم دلائل و براہین سے ثابت کریں گے کہ قرآن کے

تمام احکام اور اُن کی تفصیلات غیر متبدل ہیں اور ہر زمانہ کی ضروریات کی کفیل اور ہر عہد میں انسانیت کی فلاح و بہبود کی ذمہ دار ہیں تو اسی طرح ہم بھی ہر اُس شخص کو چیلنج کرتے ہیں جو سنت نبوی ؐ کے ابدی طور پر قابلِ عمل ہونے کا قائل نہیں کہ وہ آئے اور شریعتِ اسلامیہ کے کسی ایک حکم کو مقتضائے وقت کے خلاف ثابت کر دکھائے جو سنتِ صحیحہ سے ثابت ہوا ہو۔

اور اگر آپ یہ کہیں کہ ہم صرف عقل کو نہیں جس کی لنگ پائی کا اب اس کے پرستاروں کو بھی اعتراف ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کو اپنا حکم تسلیم کرتے ہیں جس کے متعلق اس کے نازل فرمانے والے نے خود فرمایا:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝

ترجمہ: (یہ وہ کتاب ہے) جس میں باطل کا گزر نہ سامنے سے ممکن ہے نہ پیچھے سے، یہ تو حکیم و حمید کی طرف سے اُتری ہوئی ہے۔

تو چشمِ ما روشن دلِ ما شاد۔ قرآنِ کریم اگر یہ حکم دے کہ اللہ کے رسول کی سنت کی اطاعت ہمیشہ کے لئے فرض ہے۔ اور اس کے بیان فرمودہ احکام اور تفصیلات بھی ازلی اور غیر متبدل ہیں تو پھر تو آپ کو بھی انکارِ سنتِ نبوی ؐ پر مُصر نہیں ہونا چاہئے۔

اور اگر وہ یہ کہے کہ نہیں اللہ کے رسول کے ارشادات صرف اُس زمانہ میں واجب التعمیل تھے جو غیر مہذب تھا اور اب متمدن زمانہ کی ضروریات کے مطابق آپ خود قرآن کی نئی تفسیر اور اس کے احکام کی نئی تشریح کر سکتے ہیں۔ تو ہمیں اس خدائے غیور کے عزّت و جلال کی قسم جس نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جلال و جمال کا مظہر بنا کر مبعوث فرمایا۔ ہم کسی ادنیٰ تردد کے بغیر آپ کے ہم نوا ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جس وضاحت اور تفصیل سے اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا ہے اور اس مفہوم کو ذہن نشین کرانے کے لئے جو مختلف دلکش اسلوب اختیار فرمائے ہیں انہیں دیکھتا ہوں اور پھر ان حضرات کی جن کو قرآن فہمی کا دعویٰ ہے کی افتاد اور اس پر ان کا اصرار دیکھتا ہوں تو حیرت زدہ ہو کر کہہ اُٹھتا ہوں۔

ناطقہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے!

اِتباعِ سُنّتِ نبوی کے قرآنی دلائل

قرآنِ حکیم میں ایسی بے شمار آیتیں ہیں جن میں علیم و خبیر خدا نے اپنی مخلوق کو اپنے اس برگزیدہ بندے اور مقبول رسولؐ کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا ہے اور بارہا تنبیہہ بھی فرمائی ہے کہ جس نے اس کی فرمانبرداری سے انحراف کیا وہ اپنے پروردگار کا باغی ہے۔ اس کے انعامات سے محروم اور اس کے غضب و عذاب کا سزاوار ہے چند آیات ملاحظہ ہوں:-

پہلی اور دوسری دلیل

(۱) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (۲) قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○ (آل عمران)

ترجمہ:- (اے میرے رسول) تم فرماؤ! اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(اے میرے رسول) تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا۔ پھر اگر وہ اعتراض

کریں تو اللہ کو کافروں سے محبت نہیں ہے۔

یہ ہے قرآن پاک کی آیاتِ بینات کا اعجاز کہ ان کے سامنے شک و ارتیاب کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور حقیقت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ بے نقاب ہو جاتی ہے۔ ان دو آیتوں پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں، ارشاد ہے:-

وہ لوگ جو میرے محبوب رسول کا اتباع نہیں کرتے، اس کے نقشِ پا کو اپنا خضرِ راہ نہیں بناتے اور اس کے ارشادات کے سامنے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہتے ہوئے سرِ تسلیم خم نہیں کر دیتے اور پھر کہتے ہیں کہ اے رب! ہمارے دل تیری محبت سے سرشار اور سینے تیرے نورِ عشق سے معمور ہیں۔ وہ جھوٹے ہیں ان کا تو مجھ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر واقعی انہیں مجھ سے اُلفت ہے تو میرے رسولؐ کا اتباع کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میں بھی ان سے محبت کرنے لگوں گا یعنی پہلے وہ صرف محب تھے اور اس دعوئے محبت کی صداقت پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں تھی۔ لیکن جب میرے رسولؐ کی غلامی کا شرف انہیں حاصل ہو جائے گا، تو ان کا دعویٰ محبت بھی مسلّم اور انہیں خلعتِ محبوبیت بھی مبارک!

محبوبیت حقیقت میں خدا اور رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں پختگی اور ثبات کا نتیجہ ہے اسی حقیقت کی طرف تو حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

چُوں تمام افتد، سراپا ناز، می گردد نیاز　　قیس را لیلیٰ ھمے نامند و در صحرائے من

محبتِ الٰہی کی وضاحت

اس آیتِ کریمہ میں تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ اور يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کے الفاظ میں محبت کا جو ذکر کیا گیا ہے۔ اس پر اگر مزید غور کیا جائے تو حقیقت یوں اجاگر ہو جاتی ہے کہ

پھر کسی کو مجالِ انکار نہیں رہتی۔

محبّت کیا ہے؟ بندے کی محبت اللہ تعالیٰ سے کیسی ہوتی ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے بندے سے، کا کیا معنی ہے؟

محبت کہتے ہیں اُس کشش اور میلان کو جو دل میں کسی باکمال ہستی کی طرف پیدا ہوتا ہے خواہ وہ کمال جمالِ معنوی ہو یا صوری، حسنِ ظاہری ہو یا حسنِ سیرت وشمائل اور یہ جذبہ اسے اس ہستی سے قریب تر ہونے کے لئے بیتاب رکھتا ہے۔

بندہ جب یہ سمجھ لیتا ہے کہ گلستانِ حسن وخوبی کی ہر پتی اور ہر کلی پر اس ذات احدیت کا جمال جلوہ طراز ہے اور آنکھ جو کمال کہیں اور کسی شکل میں دیکھتی ہے اس کا سرچشمہ وہی ذاتِ صمدیت ہے تو اس کے عشق ومحبت اور اجلال واحترام کی محرابوں کے مصنوعی صنم پاش پاش ہو جاتے ہیں اور اس کے ان تمام جذبات کا مرکز صرف ایک وہی ذات رہ جاتی ہے، اس کا یہ جذبہ کیونکہ ایجابی ہوتا ہے اس لئے اپنے محبوبِ حقیقی کی عبادت اور اطاعت میں عملی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ جذبِ نہاں کی اسی نمود اور ظہور کو محبۃ العبد للہ (بندے کی اللہ سے محبت) کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر خلوصِ نیت اور عزمِ صادق کی زادِ لے کر وہ راہِ عشق پر چل نکلے تو بارگاہِ ربوبیت سے جلد ہی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی) کی نویدِ جانفزا سامع نواز ہوتی ہے اسی سرفرازی اور پذیرائی کو اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے سے محبت کہا جاتا ہے۔

دلِ عاشق میں وصالِ حبیب کے لئے بے قراری کی جو آگ بھڑک رہی ہوتی ہے وہ اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ کوئی ایسی صورت نکالے خواہ جان پر ہی کیوں نہ کھیلنا پڑے جس سے وصال میسّر ہو۔ اب اگر اللہ تعالیٰ اپنے عاشقانِ دلفگار کی

رہنمائی نہ فرمائے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے عقل وفکر کی قوت سے قربِ الٰہی حاصل کر سکیں کیونکہ ان کی عقل کتنی ہی روشن ہو بہرحال محدود ہے۔ ان کا فکر کتنا ہی بلند پرواز ہو بہرحال انسانی فکر ہے اسی لئے رب العٰلمین نے اپنا رسول بھیجا اور تمام دنیا والوں کو بتا دیا کہ اگر میری رضا وقرب کے خواہشمند ہو اور میرے وصال کے طلبگار ہو تو گمان وتخمین کی دلدلوں میں نہ بھٹکتے پھرو بلکہ میرے رسول کا دامن پکڑ لو۔ اس کے بتائے ہوئے طریقے پر میری یاد کرو۔ اس کے سکھلائے ہوئے اسلوب پر میری عبادت کرو۔ اپنے اقتصادی، سیاسی، اخلاقی اور معاشرتی مشکلات کو اس کے ارشادات کے مطابق حل کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (البقرۃ)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

یہی میری رضامندی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے اور صرف اسی طرح تمہیں میرا قرب حاصل ہو سکتا ہے۔

اب اگر کوئی محبتِ الٰہی کا مدّعی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نبی کی اطاعت نہیں کرتا یا تو وہ نادان ہے یا وہ اپنے دعوٰئ محبت میں جھوٹا ہے۔

اسی پر ہی اکتفا نہیں بلکہ اتباعِ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید برکات وخیرات کا بھی ذکر فرمایا کہ

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

کہ اطاعتِ رسول کی برکت سے تمہارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ تمہاری لغزشوں اور کوتاہیوں پر قلمِ عفو پھیر دی جائے گی۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ قوموں

پر خدائے قہار کا عذاب ان کے گناہوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے نازل ہوتا ہے۔ قیامت خیز قحط، ہلاکت آفریں جنگیں اور تباہ کن امراض کے شکنجہ میں قدرت بلاوجہ نہیں کس دیتی بلکہ یہ انسان کی اپنی بداعمالیوں کا طبعی ردِعمل ہوا کرتا ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○

ترجمہ:۔ یہ بدلا ہے اسی کا جو تم نے آگے بھیجا اپنے ہاتھوں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

لیکن اطاعتِ رسولِ عربی وہ اکسیر ہے جس سے جاں بلب مریض شفایاب ہوجاتا ہے، اس کے اعجاز سے ان قوموں کو تاج سروری عطا کیا جاتا ہے جو قعرِ مذلت میں مدتوں سے پڑی سڑ رہی ہوتی ہیں۔ اسی کے صدقے ان امتوں کو حیاتِ نو اور ذوقِ عمل مرحمت کیا جاتا ہے، جو اپنی سست گامی سے زندگی کی دوڑ میں شکست کھا چکی ہوتی ہیں ؎

تو چناں ہمائی اے جاں کہ بزیرِ سایۂ تو — بکف آورند زاغاں ہمہ خلعتِ ہمائی

ایک قلبِ سلیم کے لئے تو اس روشن دلیل اور واضح برہان کے بعد کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں لیکن دبیرِ ازل کے قلم معجز نگار نے کیونکہ اس مضمون کو مختلف اداؤں سے پیش فرمایا ہے اس لئے ان سے متمتع ہونا بھی عین سعادت ہے۔

تیسری دلیل

اللہ تعالیٰ سورۃ النساء پارہ چہارم میں ارشاد فرماتا ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ اور اُس کے رسول کا۔ اللہ اُسے

باغات میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

یہ دنیا دارالعمل ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے روز تمام مخلوقات کو پھر زندہ کیا جائے گا۔ اور ان کے اعمال نیک و بد کا محاسبہ ہوگا۔ اطاعت کیش اور پاکباز جنت کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور سرکشوں اور متکبروں کو دوزخ کا ایندھن بنایا جائے گا۔ اس جہاں میں ہمارا مقصد زیست، شوکت و سطوت، جاہ و منصب اور عیش و نشاط کے حصول تک محدود نہیں، گو ہم ان سے دستکش ہونا بھی کفرانِ نعمت سمجھتے ہیں۔ ہمارا عقابِ ہمت اس عالمِ آب و گل کے کہستانوں میں آشیانہ نہیں بناتا۔ اس کا نشیمن تو فردوسِ اعلیٰ کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔

ہماری حقیقی کامیابی یہی ہے کہ ہم قیامت کے روز بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہوں اور اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یہی بتایا ہے کہ اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور یہی سب سے بڑی کامرانی کی علّتِ تامّہ ہے، گویا اللہ تعالیٰ کے سرمدی انعامات کے مستحق صرف وہی خوش نصیب ہیں جنہوں نے فرمانِ مصطفوی کو دل و جاں سے تسلیم کیا۔

چوتھی دلیل

اطاعتِ رسولؐ اور اس کی گوناں گوں برکات بیان کرنے کے ساتھ حضور کریمؐ کی نافرمانی سے روکا سورۃ مجادلہ میں ارشاد ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

ترجمہ: اے ایمان والو! تم جب آپس میں مشورہ کرو تو گناہ کرنے، حد سے بڑھنے اور رسولؐ کی نافرمانی کا مشورہ نہ کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ

کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف اٹھائے جاؤ گے۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ کس دلکش اور محبت بھرے انداز میں مسلمانوں کو ایسی سرگوشیوں سے روکتے ہیں جن میں فسق و تعدی اور فخر الرسل کی نافرمانی کی سازش کی جائے اور ساتھ ہی تنبیہ فرما دی کہ یہ تمہاری سرگوشیاں مجھ سے اوجھل نہیں اگر تم باز نہ آئے تو قیامت کے دن تمھیں رسوا کیا جائے گا۔

اسلامی حکومتوں کے ارباب حل وعقد اور مجالس دستور ساز کے ارکان مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران اس آیت کو بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے کس وضاحت سے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ سنت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی آئین یا قانون بنانے کا انہیں کوئی اختیار نہیں۔ اسلامی مملکت کے صدر، وزیر اعظم اور افسران کسی خود ساختہ مصلحت کی وجہ سے ترکِ سنت کے مجاز نہیں۔

پانچویں دلیل

کئی مقامات پر رب العزت نے دوزخ کی آگ میں جلنے والوں اور عذابِ خداوندی میں گرفتار بدنصیبوں کا ذکر فرمایا کہ اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور وہ اس وقت کفِ افسوس ملتے ہوئے اور اشک ندامت بہاتے ہوئے نہایت حسرت سے اپنے جرم کا اعتراف بدیں الفاظ کریں گے:

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا (الاحزاب ۶۶)

ترجمہ: جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے۔ کہتے ہوں گے کاش! ہم نے خدا کی اطاعت کی ہوتی اور رسولؐ کی اطاعت کی ہوتی۔ ع

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا!

چھٹی دلیل

اور کہیں گے جب کہ ان کا یہ کہنا انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝ (النساء ۴۲)

ترجمہ: اس دن تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور رسولؐ کی نافرمانی کی، کاش! انہیں مٹی میں دبا کر زمین ہموار کر دی جائے۔ اور کوئی بات اللہ سے چھپا نہ سکیں گے۔

ساتویں دلیل

مندرجہ ذیل آیت سورۃ توبہ کی ہے آپ اسے پڑھئے اور غور کیجئے کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کا کیا عالم ہے جو نورِ مجسم ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھے اور فرزندانِ توحید کو انہیں کون سی سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝ (توبہ ۲۹)

ترجمہ: لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اُس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسولؐ نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر۔

اللہ تعالیٰ نے نہایت کھلے طور پر یہ بیان کیا ہے کہ قرآنِ کریم کی اطاعت اور سنتِ نبی کریمؐ کی اطاعت مساوی طور پر فرض ہے اور جو سزا قرآن سے سرتابی کرنے والے کی ہے اسی سزا کا مستحق سنتِ نبویؐ کا منکر ہے۔

آٹھویں دلیل

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ

رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ (النساء ۶۱)

ترجمہ: اور جب ان کو (جو ظاہر میں مسلمان ہونے کے مدعی ہیں) کہا گیا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور اس کے رسولؐ کی طرف۔ تو تم نے دیکھا منافق کو وہ تم سے دور ہٹتے ہیں۔

قرآن کی اصطلاح میں وہ بھی منافق ہے جو حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ یعنی کوئی مسلمان تو سنت سے انحراف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ سنت سے انحراف تو فقط منافقین کا شیوہ ہے۔

نویں دلیل

کیونکہ اطاعتِ رسول رشد و ہدایت کی کفیل ہے اسی سے انسان روزِ محشر کی ندامت سے محفوظ ہو سکتا ہے یہی بابِ جنت کی کلید ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ وسیع کا حقدار انہیں لوگوں کو ٹھہرایا ہے جو اطاعتِ رسولؐ میں کوشاں رہتے ہیں۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الخ (الاعراف ۱۵۶-۱۵۷)

ترجمہ:۔ اور میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو۔ سو اُس کو لکھ دوں گا ان کے لئے جو متقی ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسولؐ کو جو نبی امی ہے۔ الخ

اطاعت اور اتباع کے معانی کی تحقیق

کیونکہ ان تمام آیات میں جہاں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کا حکم ہے۔ اطاعت اور اتباع کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ بحث ختم کرنے

سے پہلے لفظ اطاعت و اتباع کی تحقیق کر لینی چاہئے تاکہ کسی قسم کا لفظی نزاع بھی غلط فہمی کا باعث نہ بنے۔

عربی زبان میں اتباع کہتے ہیں کہ کسی شخص کے پیچھے پیچھے چلنا چنانچہ ابن منظور نے اپنی لغت کی شہرۂ آفاق کتاب "لسان العرب" میں اس کی یوں تحقیق کی ہے:

قال الفراء الاتباع ان یسیر الرجل وانت تسیر وراءہ واذا قلت اتبعتہ فکانك قفوتہ[1]

ترجمہ:۔ فراء (لغت و نحو کے امام) نے کہا کہ اتباع کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص آگے آگے چل رہا ہو اور تو اُس کے پیچھے پیچھے چلے اور اگر تو کہے کہ میں نے اس کی اتباع کی، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اُس کے پیچھے پیچھے اور اس کے نقشِ قدم پر چلا۔

صاحبِ "تاج العروس" نے اس مفہوم کو ذکر کرنے کے ساتھ چند ایک اور الفاظ بھی لکھے ہیں جن سے اتباع کا معنی اور زیادہ واضح اور روشن ہو جاتا ہے مثلاً

التُّبُع وکذلك التَّتَبُّع کسُکَّر الظل سمی بہ لانہ یتبع الشمس حیثما زالت ومن المجاز التبع ضرب من الیعاسیب اعظمها واحسنها[2]۔

ترجمہ: التُّبُع اور التَّتَبُّع (جن کا مادۂ اشتقاق تبع ہے) کا معنی سایہ ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سورج کے پیچھے پیچھے رہتا ہے اور التبع مجازاً شہد کی مکھیوں کے سب سے اعلیٰ اور بہتر کو بھی کہتے ہیں (کیونکہ سب شہد کی مکھیاں اس کے پیچھے پیچھے رہتی ہیں)۔

اور اس کا اصطلاحی معنی امام ابوالحسن الآمدی نے یوں بیان کیا ہے:

واما المتابعة فقد تکون فی القول وقد تکون فی الفعل والترك

[1] لسان العرب فصل التاء من باب العین ۱۲ [2] تاج العروس فصل التاء من باب العین۔

فاتباع القول هو امتثاله على الوجه الذی اقتضاه القول والاتباع فی الفعل هو التأسی بعینه۔[1]

والتأسی ان تفعل مثل فعله علیٰ وجهه من اجله۔[2]

ترجمہ: متابعت کبھی کسی کے قول کی ہوتی ہے اور کبھی کسی کے فعل وترک کی، کسی کے قول کے اتباع کا معنی تو یہ ہے کہ اپنے متبوع کی اس طرح فرمانبرداری کی کی جائے جس طرح اس کے قول کا تقاضا ہو اور کسی کے فعل کے اتباع کا معنی یہ ہے کہ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لئے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔

'اتباع' کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کے متعلق جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے اس کی تعمیل صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ حضورؐ کے اقوال پر اس طرح عمل کریں جیسا ان اقوال کا تقاضا اور منشا ہے، اور حضورؐ کے افعال کو اس طرح ادا کریں جس طرح حضورؐ نے ادا فرمائے اور اس لئے ادا کریں کیونکہ حضورؐ پر نور نے ان افعال کو ادا فرمایا۔ اگر ہم حضور کریمؐ کے ارشادات پر اس طرح عمل نہ کریں جیسے ان کا تقاضا ہے یا افعالِ رسالتؐ کو اس طرح ادا نہ کریں جیسے حضورؐ نے ادا کئے یا اس لئے ادا نہ کریں کہ حضورِ اکرمؐ نے انہیں ادا کیا تو پھر اتباعِ نبویؐ سے جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے بارہا حکم فرمایا ہے، ہم محروم رہیں گے۔

اتباع کا معنی سمجھ لینے کے بعد اب ذرا لفظ اطاعت پر غور فرمائیے:

عربی زبان میں اطاعت کسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے۔

وفی التهذیب وقد طاع له یطوع اذا انقاد له بغیر الف

[1] الاحکام فی اصول الاحکام ج ۱ ص ۸۹ [2] ایضاً ص ۸۸

فاذا مضی لامره فقد اطاع[1]۔

ترجمہ: تہذیب (لغت کی ایک مستند کتاب) میں ہے کہ قد طاع له یطوع (جب کہ ثلاثی مجرد ہو) کا معنی ہے کسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا اور جب کوئی کسی کے حکم کی تعمیل کرے تو کہتے ہیں (قد اطاعه) یعنی اس نے اس کی اطاعت کی۔

اور اطاعت کا اصطلاحی معنی امام ابوالحسن الآمدی نے یہ لکھا ہے۔

ومن اتی بمثل فعل الغیر علی قصد اعظامه فهو مطیع له[2]۔

یعنی جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عزت واحترام کے باعث بعینہٖ اس کے فعل کی طرح کوئی فعل کرے تو کہتے ہیں کہ یہ شخص فلاں شخص کا مطیع ہے۔

تو گویا اہلِ عرب جن کی زبان میں قرآنِ کریم نازل ہوا اطاعت کا لفظ اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کہ کسی کے حکم کی تعمیل کی جائے اور اس کی عزت واحترام کی وجہ سے بعینہٖ ایسا کام کیا جائے جیسا اس کام کو وہ معزز ومحترم شخص کرتا ہے۔

اطاعتِ رسول کے حکمِ الٰہی کی تعمیل کی واحد صورت

اب جن آیاتِ قرآنی میں اطاعت واتباعِ رسولؐ کی بار بار تاکید کی گئی ہے ان پر عمل فقط اسی صورت میں ہوگا کہ آپ ایسا کریں جیسے وہ رسولؐ کرتا ہے یعنی جیسے وہ نماز پڑھتا ہے اسی طرح، انہیں اوقات پر اتنی ہی رکعتیں ادا کریں، حج کی جو عملی تصویر وہ پیش کرتا ہے بعینہٖ اس کا چربہ اتاریں۔ زکوٰۃ کے نصاب اس کی شرح وغیرہ کے جو اصول اس نے سکھائے ہیں بلاچون وچرا ان پر عمل پیرا رہیں۔ لین دین،

[1] لسان العرب فصل الطاء من باب العین۔
[2] الاحکام فی اصول الاحکام ج ۱ ص ۹۱ (طبع صبیحی)۔

نکاح وطلاق، اخلاق ومعاشرت کے جو ضوابط اس نے مقرر فرمائے ہیں ان پر بطیبِ خاطر کاربند رہیں۔ اگر آپ ایسا کریں تو واقعی آپ نے اس کی متابعت کی اور اپنے رب کا حکم مانا۔ لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے بلکہ اپنی فہم و دانست کے مطابق تعلیماتِ اسلامی کو نت نئی شکلوں میں پیش کر کے اپنے شوقِ تجدید پسندی کی تسکین کا سامان مہیا کرتے ہیں تو یہ بلاشبہ اتباعِ ہوس واطاعتِ نفس تو ہوگی لیکن آپ اسے کسی تاویل کی قوت سے بھی اطاعتِ رسول اور اتباعِ سنت نہیں کہہ سکتے۔

اب اُن حضرات کی خدمت میں مؤدّبانہ التماس ہے جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت کے منکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی کلام پاک میں جسے وہ بھی قیامت تک کے لئے غیر تغیر پذیر مانتے ہیں اور اس کی مقرر کردہ جزئیات کو بھی غیر متبدل تسلیم کرتے ہیں، یہ فرماتا ہے:

گناہوں کی آمرزش چاہتے ہو تو میرے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

میری محبت کے دعویدار ہو تو میرے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

جنت کے طلب گار ہو تو میرے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

میرے محبوب بننا چاہتے ہو تو میرے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

میرے دامنِ رحمت میں پناہ چاہتے ہو تو میرے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

اور جس وقت تمہیں کسی خطۂ زمین میں غلبہ وتمکین عطا فرماؤں اور تم مجالسِ دستور سازیں وضع آئین وقوانین کے لئے اکٹھے ہو تو میرے رسولؐ کی اطاعت کرو۔

ورنہ

قیامت کے دن ہونٹ کاٹو گے۔

اپنے تمرد وسرکشی پر پچھتاؤ گے۔

اپنے وجود تک سے بیزاری کا اظہار کرو گے۔

لیکن کوئی عذر نہیں سُنا جائے گا۔

اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ نہیں اب ہمیں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کی اطاعت کی ضرورت نہیں۔ اطاعتِ رسولؐ کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب ہمارا حکم واجب التعمیل ہے اور ہماری سنت قابلِ تقلید۔

قرآن کے اصولوں اور اس کی تفصیلات کو اٹل اور دائمی کہنے والے اب ان آیات کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ کیا یہ آیتیں ان کے نزدیک قرآن پاک کی نہیں؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا کلام نہیں؟ ان کو وہ کیوں غیر متبدل نہیں سمجھتے؟ کیا یہ آیاتِ محکمات منسوخ ہو چکی ہیں؟ یا ان کے معانی بدل چکے ہیں؟ ایک مفکری نے حرمتِ جہاد کا فتویٰ صادر کر کے اُمت مصطفوی کے قوائے عمل ونشاط کو مفلوج کرنا چاہا تھا تاکہ اپنے محسن آقا کے سامنے اپنی نیازمندی اور وفاداری کا ثبوت پیش کر سکے، جس کے فکرِ فتنہ ساز نے اس کے لئے نبوت تخلیق کی۔ جس کے دجل وفریب سے اس کے باطل کو تقویت ملی۔ جس کے مکر وخداع نے اسے دامِ ہمرنگِ زمین بخشا۔ اور جس کی بخششہائے بے اندازہ نے اسے مال وجاہ کے پجاریوں کا قاضی الحاجات بنا دیا۔

لیکن زمین وآسمان کا خدا شاہد ہے کہ وہ اپنی دسیسہ کاریوں میں ناکام رہا، اُمتِ محمدیہ کے دلوں سے جہاد کا جذبہ مٹ نہ سکا۔ راہِ حق میں مرنے کی تڑپ کم نہ ہوئی۔ اسلام کا پرچم بلند رکھنے کے عزم میں ضعف نہ آیا۔ میدانِ سرفروشی میں نعرۂ توحید بلند ہوتا رہا اور شہادت گاہِ عشق میں آقائے بدر وحُنین کے غلام اپنا دل وجان نثارِ ابروئے جاناں کرتے ہی رہے اور جب تک چشمِ آفتاب روشن ہے وہ یہ نظارہ دیکھتی رہے گی۔

اب یہ ملت کے نئے دردمند اور بہی خواہ صرف ایک چیز سے نہیں بلکہ اسلام کے ان تمام اصولوں کو ناقابلِ عمل ثابت کرنے کے لئے کوشاں ہیں جن کا سرچشمہ ذاتِ محمد

مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اس کے احکام میں ردّو بدل ناممکن ہے لیکن اگر وہی قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے پیارے رسولؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور صرف ایک بار نہیں بلکہ سینکڑوں بار کہتا ہے تو پروا نہیں کرتے اور یہی کہتے ہیں کہ نہیں اطاعتِ رسول کا زمانہ ختم ہو گیا اب ہم پر بلکہ ساری اُمّت پر رسولؐ کی اطاعت فرض نہیں رہی۔

سچ تو یہ ہے کہ دامنِ مصطفویؐ ہاتھ سے چھوٹنے کے بعد کوئی کتنا ہی چابک دست ہو حبل اللہ (قرآن) کو نہیں تھام سکتا۔ جن کے لئے نقشِ پائے مصطفٰے دلیلِ راہ نہیں اُن کے لئے سروشِ غیب بھی بے معنی ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ تشریعی (سنت طبعی نہیں) میں جو اصول اور جو احکام مذکور ہیں زمانے کے بدلتے ہوئے احوال اس کے دامنِ ابدیت کو نہیں چھو سکتے۔ شب و روز کا غیر منقطع تسلسل ان کی زندگی بخش اور شباب آفریں قوتوں کو مضمحل نہیں کر سکتا۔ گردشِ لیل و نہار ان کی افادیت اور صلاحیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ ہمارا یقینِ محکم ہے کہ قرآنِ کریم کے دوسرے اصول اور تفصیلات جس طرح ابدی اور دائمی ہیں اسی طرح اطاعت رسالتؐ کے متعلق جو حکم ہے، وہ بھی قیامت تک کے لئے واجب العمل ہے۔

ایک شُبہ کا ازالہ

کسی شخص کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے وہ اپنی ذات اور اسی طرح اپنی تمام صفات میں بے مثال ہے، وہ عرش و فرش، بالا و پست، بحر و بر، نور و ظلمت غرض کہ ہر اُس ذرہ کا جسے اس نے خلعتِ وجود سے نوازا ہے بلا شرکت غیر مالک و مختار ہے۔ اسی کے حکم سے فلکِ نیلگوں کا سائبان

بغیر سہارے تنا ہے اسی کے حکم سے سورج اور چاند کو ردائے نور، ستاروں کو تنک تابی اور دریاؤں کو روانی مرحمت کی گئی ہے اور اسی کی اجازت سے نبضِ ہستی سرگرمِ خرام ہے پھر اس کی اطاعت کے بغیر کسی اور کی اطاعت کا کیا معنی؟ جب وہ خود فرماتا ہے کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں) تو صرف اسی کا ارشاد واجب الانقیاد ہوگا۔ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ کی دولت فقط اسی کے آستانۂ قدوسیت پر جبیں فرسا ہونے کا ثمر ہے، تو پھر یہ دوئی (DUALISM) یعنی خدا کی اطاعت کے ساتھ رسولؐ کی اطاعت کیسی؟

اگر متذکرہ بالا آیات اور ایسی دیگر آیات قرآنِ کریم کے صفحات کی زینت نہ ہوتیں تو شاید اس شبہ میں کچھ وزن ہوتا۔ ان آیات کو خدا کا کلام یقین کر لینے کے بعد تو قلبِ مؤمن میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین اور غیور بادشاہ ہے جو اپنی سلطنت میں کسی غیر کی دخل اندازی برداشت نہیں کرتا اور جہانبانی اور حکمرانی کا حق صرف اپنے لئے محفوظ کیا ہے تو پھر اس کا ہر حکم خواہ اس کی حکمت و غایت کے ادراک سے ہماری فہم نارسا عاجز بھی رہے واجب الامتثال ہے، اور جب اسی نے بار بار یہ حکم دیا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ تو پھر مجال دم زدن کہاں اور یارائے قیل و قال کسے۔ اب اس میں تامل کرنا گویا اس کے حکم کے خلاف بغاوت کرنا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا کی اطاعت اور رسولؐ کی اطاعت دو علٰحدہ اطاعتیں ہیں ہی نہیں تاکہ یہ سوال پیدا ہو۔ بلکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ خدا کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے اور رسولؐ کی فرمانبرداری، خدا کی فرمانبرداری، یہ بھی میں نہیں کہتا بلکہ اسی رب ذوالجلال کا ارشاد ہے جس نے سارے عالم کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اپنے ایک نہایت ہی برگزیدہ بندہ پر قرآن نازل فرمایا ارشاد ہے:

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مَنْ
يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝ (النساء ۷۹ - ۸۰)

ترجمہ:- اور (اے محبوب) ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا۔ اس پر خدا کی گواہی کافی ہے، جس نے رسولؐ کا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں اُن کا محافظ بنا کر نہیں بھیجا۔

اس نصِ محکم کے بعد اطاعتِ نبوی کو اطاعتِ خداوندی سے الگ تصور کرنا آیاتِ قرآنی سے جہالت و بیگانگی کی دلیل ہے۔

حکمتِ قرآن اور سُنّتِ نبویؐ

ایک معنیٰ کی دو تعبیریں

منکرینِ سنتِ نبویؐ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط قرآنِ حکیم عطا ہوا ہے اس کے علاوہ اور کوئی وحی نہیں ہوئی اور سنت حضورؐ کے اپنے فکر و نظر کی تخلیق ہے اور یہ مُنزّل مِنَ اللہ نہیں اور اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کیونکہ سنت حضورؐ کے ذاتی اجتہاد کا ثمر ہے اس لئے یہ فقط اُن مخصوص حالات میں ہی مشعلِ راہ کا کام دے سکتی تھی اور دوسرے انسانوں کے افکار و آراء کی طرح یہ بھی زمانہ کے ہر لحظہ بدلنے والے اور ترقی پذیر تمدّنی، اقتصادی اور معاشرتی تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتی، اس لئے متروک العمل ہے اور ہمارے لئے یہ کسی طرح حجت نہیں اور خدا و رسولؐ کا منشا بھی یہی تھا کہ یہ آئندہ نسلوں کے لئے حجت نہ بنے اس وقت ہمارے لئے اس میں اس کے تاریخی

پہلو کے علاوہ کوئی جاذبیت نہیں (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ)۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے قرآن کو کبھی دِقت نظر سے نہیں دیکھا اور وہ تدبّر اور جگر کاوی جس کی قرآن نے اپنے پڑھنے والوں کو دعوت دی ہے اور یہ خود بھی بار بار اس پر زور دیتے رہتے ہیں۔ کبھی سنجیدگی سے قرآن کو اس کا مستحق نہیں سمجھا۔ ورنہ ان سے ایسی فحش غلطی کبھی سرزد نہ ہوتی۔ آئیے! قرآن کی روشنی میں اس الجھن کا حل تلاش کریں یقیناً گوہرِ مقصود دامنِ طلب کی زینت بنے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت کا تذکرہ فرمایا وہاں دو[2] چیزوں کا ساتھ ساتھ ذکر فرمایا۔

۱۔ کتاب اور ۲۔ حکمت مثلاً

۱۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ
وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ
وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا
اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (اٰل عمران ۸۱)

ترجمہ: اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ جس وقت میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا، کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا، سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا، تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

یہ عہد اللہ تعالیٰ نے ارواحِ انبیاء عظام سے لیا تھا کہ جب میں تمہیں خلعتِ نبوت سے سرفراز کروں اور تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں۔ تو جس وقت میرا

محبوب زینت بخش بزم کون ومکان ہو تو تم اس پر ایمان بھی لانا اور اس کی اعانت میں بھی کوشاں رہنا۔ اس آیت مطہرہ میں جو اور اسرار و نکات ہیں اس وقت میں انہیں بیان نہیں کرتا، میں جو چیز اس وقت واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو صرف کتاب دینے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ حکمت کا بھی کتاب کے ساتھ وعدہ فرمایا تو گویا ہر نبی کو کتاب کے ساتھ حکمت بھی بخشی گئی اور جس طرح کتاب خدا کی طرف سے ہے اسی طرح حکمت بھی منزل من اللہ ہے۔

۲۔ سورۃ النساء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے۔

وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (النساء ۱۱۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے (اے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ کو سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

تو پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب ہی اپنے رسول پر نازل نہیں فرمائی، بلکہ حکمت بھی نازل فرمائی ہے۔

اسی طرح جہاں اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت اور انبیاء و رُسل کے بعثت کی غرض و غایت بیان فرمائی وہاں یہ بھی تصریح کی ہے کہ ان کا کام اُمت کو کتاب اور حکمت سکھانا ہے مثلاً سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ ۱۵۱)

ترجمہ: جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت

کرے اور تمہیں پاک کرے اور تمہیں سکھائے کتاب اور حکمت، اور سکھائے تمہیں وہ علم جو تم نہیں جانتے۔

دوسرے مقام پر جہاں بعثتِ مصطفوی کو مخلوقات پر اپنا عظیم الشان احسان فرمایا، وہاں بھی ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (اٰل عمران ۱۶۴)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان کیا ایمان والوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں (کفر و گناہ کی آلودگی سے) پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔[1]

---

[1] اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عام ہے وہ جسم اور روح دونوں کا پروردگار ہے یہ گنبد نیلوفری اور اس میں آویزاں یہ کروڑوں قندیلیں، یہ کرۂ ارضی، اس کے فلک بوس پہاڑ اور ان سے اُبلتے ہوئے چشمے، بہتی ہوئی ندیاں اور پُرشور دریا، ان کی گل فروش وادیاں اور سبزہ زار ڈھلوانیں۔ یہ ہموار میدان اور ان میں لہلہاتے ہوئے کھیت اور یہ جنت نگاہ باغات اور پھر یہ ہوا کا محیط بیکراں اگر اس کے رب الاجسام ہونے کے آئینہ دار ہیں تو صدفِ نور و ضیاء کا یہ درِ یتیم، برجِ سعادت کا یہ کوکبِ تاباں، مطلعِ رشد و ہدایت کا یہ مہتاب، آسمانِ رسالت کا یہ مہرِ نیمروز محمد عربی (فداہ روحی و قلبی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رب الارواح ہونے کا مظہرِ اتم ہے ؎

وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

اور کیونکہ رُوح اشرف و اعلیٰ ہے جسم سے، اس لئے وہ چیز جو (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

یہاں بھی ارشاد فرمایا کہ ہم نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں ایسا رسولؐ بھیجا جو (دیگر امور کے علاوہ) انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔

اسی طرح سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ ازواجِ سید المرسلین کو حکم فرماتا ہے کہ

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝ (الاحزاب ۳۴)

ترجمہ: اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں۔ اللہ کی آیتیں اور حکمت اللہ تعالیٰ ہر باریکی جانتا خبردار ہے۔

اُمّہات المؤمنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کو فقط کتاب کے یاد کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ کتاب کے ساتھ حکمت کا بھی۔

اس تفصیل سے مقصد تو یہ ثابت کرنا ہے کہ نبی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو چیزیں کتاب و حکمت عطا ہوتی ہیں اور وہ اپنی امت کو خدا کی دی ہوئی یہی دو چیزیں سکھاتا ہے۔

(گزشتہ صفحہ کا باقی حاشیہ) انسان کی روحانی حیات و بالیدگی کی ضامن ہے افضل و برتر ہوگی اس چیز سے جس کے ساتھ اس کی جسمانی بقا اور نشوونما وابستہ ہے تبھی تو رب العالمین نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کو اپنا احسانِ عظیم قرار دیا۔

انسان نے اگرچہ اب چراغوں سے فانوس اور فانوسوں سے برقی قمقمیں روشن کر لئے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنی صحت و سلامتی کے لئے اسی پرانے چاند اور سورج کا محتاج ہے اور تا قیامت محتاج رہے گا۔ اسی طرح وہ اپنی قوت فکر و نظر سے کتنی ہی شمعیں کیوں نہ جلالے وہ اس نور سے مستغنی نہیں ہو سکتا جو انسان کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے ساتھ اور اپنی کتاب سمجھنے کے لئے انسان کو عطا فرمایا ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ۝ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس دو چیزیں آئیں ایک نور یعنی ذاتِ رسالت مآب اور دوسری کھلی اور روشن کتاب۔ (قرآن)

لفظ حِکمت کے مفہوم کی تحقیق

اب دیکھنا یہ ہے کہ 'حکمت' ہے کیا؟ اس کا لغوی مفہوم کیا ہے؟ اور قرآنی اصطلاح میں اس کا کیا معنی ہے؟

حکمت کا مادہ ہے حکم اور حکم کا معنی ہے منع منعا للاصلاح[1]۔ کسی کی اصلاح کے لئے کسی کو کسی امر سے باز رکھنا۔ اسی لئے لگام کو بھی حَکَمَۃٌ کہتے ہیں کیونکہ اس سے گھوڑے کو سرکشی سے باز رکھا جاتا ہے۔ ایک مصرع ہے۔

ابنی حنیفہ احکموا سفہائکم

اے بنی حنیفہ (عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے) اپنے احمقوں کو شرارت سے روک لو۔

اسی مناسبت سے حکمت کہتے ہیں وضع الاشیاء مواضعھا۔ یعنی اشیاء کو اپنے صحیح محل پر رکھنا۔ اور ان کو غیر صحیح محل پر استعمال کرنے سے روکنا۔

صاحبِ تاج العروس نے مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے:

الحکمۃ العدل فی القضاء والعلم بحقائق الاشیاء علیٰ ماھی علیہ والعمل بمقتضاہ ولھذا انقسمت الیٰ علمیۃ وعملیۃ[2]۔

یعنی کسی جھگڑے کا عادلانہ فیصلہ کرنے کو حکمت کہتے ہیں، کیونکہ مدعی اور مدعی علیہ کے متضاد بیانات اور دلیلوں سے حقیقت شکوک و شبہات کے پردہ میں پنہاں ہو جاتی ہے اس پردہ کو ہٹا کر حقیقت کو واشگاف کر دینا اور صاحبِ

[1] مفردات راغب۔
[2] تاج العروس فصل الحاء من باب المیم۔

حق کو اس کا حق دلانا عدل ہے اور یہی حکمت ہے اس کا دوسرا معنی اشیاء کی صحیح حقیقت کو جان لینا اور اس صحیح علم کے مطابق اس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اسی لئے حکمت کی دو قسمیں ہیں، حکمت علمی یعنی اشیاء کی ماہیت وحقیقت کا صحیح علم اور دوسری قسم حکمتِ عملی یعنی اس صحیح علم کے تقاضا کے مطابق اس پر عمل پیرا ہونا۔

اب جب ہم نے حکمت کا وہ مفہوم اچھی طرح سمجھ لیا جو اہل لسان اس سے مراد لیتے ہیں، تو اب ان آیات کی طرف غور کریں جن میں الکتٰب والحکمۃ کا ساتھ ساتھ ذکر ہے، ان آیات میں لفظ کتاب کے بعد جو لفظ حکمت مذکور ہے۔ اس سے مراد حکمتِ کتاب ہے یعنی کتاب (قرآن) میں جو اوامر و نواہی، جو احکامات و ارشادات، جو دروس وعبر، جو پند ونصائح مذکور ہیں ان کی ماہیت وحقیقت کا صحیح صحیح علم اور ان پر صحیح صحیح عمل۔ یہ صحیح علم اور صحیح عمل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر رسول کو کتاب کے ساتھ عطا فرمایا جاتا ہے۔ اسی طرح رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی کتاب کا علم وعمل اللہ تعالیٰ نے ہی مرحمت فرمایا اور یہی حضور کریمؐ کا علم وعمل ہے جس کی تعبیر سنت سے کی جاتی ہے، اگر ان حضرات کو لفظ سنت سے بیر ہے اور اتباعِ سنتِ نبویؐ سے چڑ ہے تو وہ حکمت اور اتباعِ حکمتِ نبویؐ کے الفاظ استعمال کریں۔ بہرحال انہیں قرآن پر عمل کرنے کے لئے حضورؐ کے اقوال و اعمال پر عمل کرنا ہی پڑے گا اور طوعًا وکرہًا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سنت یا حکمتِ قرآن بمطابق آیاتِ سابقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

اور قرینِ قیاس یہی ہے کہ حکمت یعنی سنت منزّل من اللہ ہو کیونکہ اگر کتاب اللہ کے احکام کے مصداق ومدلول کا تعین عقلِ انسانی کے سپرد کر دیا جائے تو احکام الٰہی اہلِ خرد کی موشگافیوں کی بھینٹ چڑھ جائیں گے اور اُمّت کی

وحدت ویک جہتی جو اس کی زندگی کی کفیل اور بقا کی ضامن ہے کسی ٹھوس اور مضبوط نظامِ حیات کی غیر موجودگی کے باعث تشتت وافتراق کی نذر ہو جائے گی۔

احکامِ قرآنی پر عمل اتباعِ سُنّت کے بغیر ناممکن ہے

اگر احکام قرآنی میں تھوڑا سا غور کیا جائے تو یقین ہو جاتا ہے کہ ان کو کماحقہٗ سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت، عقل کی تیزی اور فکر کی سبک پروازی کافی نہیں۔ انسان کو عربی زبان میں کتنی ہی مہارت ہو اور وہ کتنا ہی عقلمند ومفکر کیوں نہ ہو وہ قرآن سمجھنے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رہنمائی کا محتاج ہے۔

آیئے مثال کے طور پر چند احکاماتِ قرآنی پر غور کریں!

چند مثالیں

سب سے پہلے قرآن کے اس فرمان کو لیجئے جس کے متعلق قرآن کی صدہا آیات میں تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ یعنی نماز کو قائم کرو۔

نماز کی یہ موجودہ صورت جس کی تعلیم نبی اکرمؐ نے دی ہے اس سے خالی الذہن ہو کر سوچئے۔ آپ یقیناً اس کا معنی سمجھنے کے لئے کسی عربی لغت کی طرف رجوع کریں گے۔

صَلٰوۃ کے لغوی معنی

اس کے لغوی معنی کے متعلق جو تفصیل ملے گی اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) صلی اللحم اذا شواہ او القاہ فی النار للاحراق

وقال الشاعر

الا یا اسلمی یا ھند ھند بنی بدر تحیۃ من صلی فؤادك بالجمر[1]

یعنی جس وقت گوشت کو بھونا جائے یا جلانے کے لئے آگ میں ڈالا جائے تو کہتے ہیں صلی اللحم، جیسے ایک شاعر نے (طنزاً) کہا:

اے قبیلہ بنی بدر کی ہند اُس شخص کا سلام قبول کر جس نے تیرے دل کو انگاروں سے جلایا ہے۔

(۲) الصلوٰۃ من الصلوین لعرقین فی الظھر[2]۔

صلوٰۃ، صلوین کا مفرد ہے اور یہ ان دو رگوں کو کہتے ہیں جو پیٹھ میں ہوتی ہیں۔

(۳) قال کثیر من اھل اللغۃ ھی الدعا یقال صلیت لہ ای دعوت لہ وفی القرآن اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ[3]

یعنی اکثر اہل لغت کی یہ رائے ہے کہ اس کا معنی دُعا ہے کہا جاتا ہے کہ صلیت لہ میں نے اس کے لئے دُعا کی اور قرآن کریم میں ہے۔ اے محبوب! تیری دُعا ان کے لئے باعثِ تسکین و طمانیت ہے۔

یہ تو اس لفظ کے لغوی معانی ہیں لیکن اب اس کا استعمال دوسرے معنوں میں مجازاً ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے۔

صلوٰۃ کا شرعی مفہوم

الصلوٰۃ عبادۃ فیھا رکوع وسجود وھذہ حقیقۃ شرعیۃ لا دلالۃ لکلام العرب علیھا الا من حیث

[1] [2] [3] مفردات راغب۔

اشتمالھا علی الدعاء الذی ھو اصل معناھا[1]

یعنی صلاۃ اس عبادت کو کہتے ہیں جس میں رکوع اور سجود ہوتا ہے اور اس لفظ کا یہ معنی حقیقت شرعیہ ہے اور کلام عرب اس معنی پر بالکل دلالت نہیں کرتی مگر ایک حیثیت سے وہ یہ کہ صلوٰۃ کا اصلی معنی دعا ہے اور اس عبادت میں (اور چیزوں کے علاوہ) دعا بھی کی جاتی ہے۔

اب اس تحقیق سے ظاہر ہوگیا کہ قرآنِ کریم کے احکام کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں بلکہ سنتِ نبویؐ کی اتباع کے بغیر کام نہیں چلتا۔ اب جو لوگ سنّت نبویؐ کو ضروری نہیں سمجھتے اور خود اپنی عقل و فکر سے قرآنِ کریم کے احکام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کیا وہ آگ میں کچھ بھون کر یا جلا کر اس حکم کی تعمیل کریں گے یا صرف یہ دُعا کر کے (کہ یا رب ہماری تنخواہ میں اضافہ کر) اس فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جائیں گے اس سے تو ان کو بھی انکار ہے[2]۔

پھر اس فرض کو کس طرح ادا کیا جائے؟ لامحالہ سنّت نبوی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

اس جملہ معترضہ کو جانے دیجئے، مجھے یہ بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت حکم دیا کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ تو اس کے اپنے علم میں تو ضرور اس کا مدلول اور مصداق متعین ہوگا۔ اب وہی اقامت صلوٰۃ شرفِ قبولیت سے سرفراز ہوگی جو علمِ الٰہی کے مطابق ادا ہو۔ اب اس پر آگاہی کیسے ہو۔ عقل انسانی تو آج سنِ شعور و شباب کا

[1] تاج العروس۔

[2] سرِدست تو انکار فرماتے ہیں، کل دیکھئے کیا کہتے ہیں ؎

یہ ڈراما دکھاتا ہے کیا سین؟ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

یقینی اور کماحقہٗ آگاہی کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ اس لئے اس کے جاننے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ وہ عالم الغیب والشہادۃ اپنے نبی کو مطلع کردے کہ میرے اس حکم کا یہ منشا ہے اور اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے فرمان سے میں تمہاری بندگی اور عبودیت کا ثبوت اس صورت میں چاہتا ہوں اور یہی حکمت ہے یعنی وضع الاشیاء علیٰ محلھا۔ اشیاء کو اپنے حقیقی محل پر رکھنا۔

دوسری مثال

اسی طرح قرآن کریم نے مختلف مقامات پر حج کے ارکان اور وظائف کا ذکر کیا ہے مثلاً وقت کا تعین کرتے ہوئے فرمایا اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ حج کے مہینے مقرر ہیں۔ یعنی شوال، ذیقعد، دس روز ذوالحجہ کے۔ اس میں ذوالحجہ کی تخصیص نہیں بلکہ سب برابر ہیں۔ اگر آپ ایام حج کے علاوہ مناسکِ حج ادا کریں تو تعمیل حکم ہوجانی چاہیئے۔ پھر فرمایا اِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ یعنی جب تم عرفات سے واپس لوٹو۔ یہ نہیں بتایا کہ تمہیں کس تاریخ کو وہاں جانا ہے، وہاں کیا کرنا ہے، کتنا ٹھیرنا ہے اور کب لوٹنا ہے وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۔ چاہیئے کہ اس پرانے گھر کا طواف کریں۔ طواف کا لغوی معنی تو پھرنا ہے تو کیا اگر بیت اللہ شریف کا ایک چکر لگا دیا تو تعمیلِ حکم ہوگئی۔ کتنے چکر کاٹنے ہیں، کہاں سے ابتدا کرنی ہے اور کہاں پر اختتام، اثناء طواف میں کیا کرنا ہے اُن چیزوں کا ذکر نہیں۔ اسی طرح احرام کا حکم دیا۔ لیکن اس کی صورت کیا ہے۔ کہاں سے باندھا جائے گا کب ختم ہوگا۔ ان کی تصریح نہیں۔ ارشاد ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جسے اس کی استطاعت ہو۔ یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ کیا اس پر بشرطِ استطاعت ہر سال حج فرض ہے یا عمر میں ایک دفعہ۔ اگر آپ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے

ارشادات کو واجب التسلیم نہ سمجھیں تو یہ فریضہ جس کی ایک بہت بڑی حکمت تمام دنیائے اسلام میں مرکزیت اور احساسِ اتحاد و یگانگت پیدا کرنا ہے تشتت و افتراق کی نذر ہوجائے گا۔

اس سے کسی کوتاہ اندیش کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ نعوذ باللہ قرآن ایک نامکمل کتاب ہے اور جو حکم دیتا ہے اس میں سراسر ابہام ہے اور کسی شخص کے لئے اس کی نصوص کو دیکھ کر اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ بخدا ایسا نہیں اس کا تو ہر جملہ بلکہ ہر لفظ مکمل ہے۔ ان میں کسی قسم کا خفا نہیں ہاں! اگر اس کے سمجھنے میں دِقت ہے اور کوئی حکم صریح طور پر ہم سمجھ نہیں سکتے تو یہ ہماری کوتاہی فہم کا نتیجہ ہے اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے رسول مبعوث فرمایا۔ اگر تمہیں طواف کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تو تمہیں بتائے بلکہ کرکے دکھائے کہ طواف کا یہ مفہوم ہے اگر احرام کی حقیقت تک تمہاری رسائی نہیں تو وہ تمہیں بتائے گا کہ احرام سے مقصودِ خداوندی یہ ہے۔ اگر اشہرِ حج کے متعلق تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو تو اُس کا عمل اس کا ازالہ کردے گا۔ اگر تم پریشان ہو کہ کب میدانِ عرفات میں حاضر ہونا ہے وہاں کیا کرنا ہے، وہاں سے کب واپسی ہوگی، تو آؤ اپنے نبی پاک کے افعال کو دیکھو جسے خداوندِ قدوس نے تمہاری طرف اپنی کتاب سکھانے اور اس کی حکمتیں بیان کرنے کے لئے بھیجا ہے یہ عقدہ بھی خدا کا رسول حل کردے گا کہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ الخ سے منشاء ایزدی عمر میں ایک دفعہ حج کرنا ہے یا بشرطِ استطاعت ہر سال۔ یہی حکمت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور نبی کتاب کے ساتھ حکمت سکھانے پر بھی مامور ہوتا ہے۔ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔

عبادات اور معاملات کی تفریق

منکرینِ سنت یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ عبادات ہیں اور عملِ متواتر سے ثابت

ہیں اور زمانہ کے بدلے ہوئے تقاضے ان پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ ہماری کلام تو معاملات میں ہے۔

اگر احکام شریعت میں عبادات اور معاملات کی تفریق تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لی جائے تو پھر بھی اُن کا یہ شبہ معقول نہیں۔ جس چیز سے وہ گریز کر رہے تھے اسی کا وہ اعتراف کر رہے ہیں۔ یعنی اُن کے نزدیک بھی وہ عبادت جو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بالتواتر ثابت ہو جائے وہ حجت ہے تو گویا حضورؐ کی سنت حجت ہے اور اس کے اثبات کے لئے تواتر روایت یا تواتر عمل ضروری ہے حالانکہ اُن کا دعویٰ یہ تھا کہ حضورؐ کی سنّت (نعوذ باللہ) حجت ہی نہیں خواہ وہ تواتر سے ہی ثابت ہو اگر تواتر عمل یا تواتر روایت سے وہ بھی سنت کو واجب التسلیم جانتے ہیں تو پھر عبادات کی تخصیص کہاں سے آگئی جو چیز تواتر سے ثابت ہو خواہ عبادات ہوں یا معاملات وہ اُمت کے لئے حجت ہونی چاہئے۔

عبادات و معاملات میں ان کی اس تفریق کی وجہ

نماز وغیرہ کے مسائل کے متعلق اُن کی آرا کا تضاد اور ان کا تذبذب قابلِ دید ہے۔ شجرِ ملّت کی شاخوں کو عُریاں اور بے برگ و ثمر دیکھنے کے جنون میں جب وہ اُسے زور زور سے جھنجھوڑتے ہیں اور ایک دو زرد زرد پتے ٹوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں تو خوشی سے اچھل پڑتے ہیں اور کامیابی کی منزل انہیں قریب تر دکھائی دینے لگتی ہے تو جوش سے کہہ اٹھتے ہیں کہ مسلمانوں کا امیر نماز کی موجودہ شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق ترمیم و تنسیخ کر سکتا ہے اور جب ہوش آتا ہے اور دیکھتے ہیں کہ لوگ تو رازِ درونِ محفل کو قبل از وقت فاش کر دینے سے چونک سے گئے ہیں اور اس دامِ ہمرنگِ زمیں سے دور ہو رہے ہیں تو پھر کہتے ہیں

ہم عبادات کے متعلق کچھ نہیں کہتے ہم تو صرف معاملات سے بحث کر رہے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے وہ عبادات و معاملات کی اس تفریق کا سہارا کیوں لیتے ہیں! اس لئے نہیں کہ ان دو چیزوں کے قرآنی احکام میں کچھ فرق ہے وہاں تو اس تفریق کا تصور بھی نہیں۔ وہاں تو صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل۔ نماز بھی اس لئے پڑھی جاتی ہے کہ اس کا حکم ہے اور کسبِ رزق کے لئے تگ و دو بھی اسی لئے کی جاتی ہے کہ اس کا حکم ہے، جھوٹ بھی اس لئے نہیں بولا جاتا کہ اس نے منع کیا ہے اور سود بھی اس لئے نہیں کھایا جاتا کہ اُس نے منع کیا ہے۔

لیکن جب ہم نے اسلام کا دامن چھوڑا اور اس جرم کی پاداش میں ہم پر انگریز کی غلامی مسلط کر دی گئی تو انگریز نے سب سے پہلے عبادات و معاملات کے تشریعی اور قانونی تفاوت کا نظریہ پیش کیا۔ نماز روزہ کو عبادت کہا اور اس میں مسلمانوں کو آزادی دے دی اور اپنے عدل و انصاف اور رواداری اور فراخدلی کے قصیدے ساری دنیا کو سُنائے اور زندگی کی باقی ضروریات کو معاملات کہہ کر دین سے جدا کر دیا اور وہاں مسلمانوں کو اپنے قانون کا پابند بنا دیا۔

یہ صورت حال دو سو سال تک رہی۔ اس سے آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں جو اسلام کے نظامِ کامل سے ناآشنا ہیں یہ خیال پختہ ہو گیا کہ اسلام کی عبادات اور اسلام کے اقتصادی، معاشرتی اور اخلاقی نظام میں بہت فرق ہے، عبادات سے انکار یا ان میں تغیر و تبدل کرتے وقت وہ مشتعل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اسلام کے دوسرے احکام کو پسِ پشت ڈالنے اور اُس کی جگہ دوسرے قوانین پر عمل کرنے میں وہ کچھ حرج محسوس نہیں کرتے۔

یہ حضرات قوم کی اس ذہنی کیفیت سے واقف ہیں جو غلامی کی اس طویل مدت کے دوران پیدا ہو گئی ہے اس لئے وہ پہلے معاملات کے اسلامی قوانین کو نسخ اور مسخ کرنے کے لئے کوشاں ہیں اور اُن کا یہ خیال ہے کہ اگر وہ اس مرحلہ میں کامیاب ہو گئے تو عبادات

میں اپنے تصرفاتِ شاہانہ سے ردّ و بدل کرنا اُن کے لئے کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔

لیکن ان حضرات کو یہ ابھی سے سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام کے اس نظام کو وہ ہرگز نہیں مٹا سکتے کیونکہ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (ابراھیم ۲۴-۲۵)

ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ نے کیسے مثال ذکر فرمائی کہ پاکیزہ کلمہ (شریعتِ اسلامیہ) اس پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں، اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ یاد رکھیں۔

اگر ان حضرات کی آراء کے تضاد اور افکار کے اختلاف کو نظر انداز بھی کر دیا جائے اور ان کی یہ بات صحیح تسلیم کر لی جائے کہ وہ اپنے رسول کے صرف ان ارشادات کو حجت نہیں تسلیم کرتے جن کا تعلق معاملات سے ہے کیونکہ یہ ارشادات آج ساڑھے تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد اپنی صلاحیت کھو چکے ہیں۔ اب ان سے زیادہ چمٹے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کاروانِ ترقی کی تیز روی کا ساتھ نہیں دے سکیں گے اور اس مقابلہ میں مات کھا جائیں گے جو اقوامِ عالم کے درمیان اپنی اپنی بقا اور فلاح کے لئے نہایت شدت سے ہو رہا ہے۔ تو بھی حقائق اور تجربات کی روشنی میں ہم نہایت وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان کا یہ خدشہ حقیقت پر مبنی نہیں۔ بلکہ ان کے احساسِ مرعوبیت کی تخلیق ہے۔

شرحِ زکوٰۃ پر ان کا اعتراض اور اس کا جواب

سب سے زیادہ اعتراض ان کو شرحِ زکوٰۃ پر ہے۔ ان کو اس اندیشہ نے

دُبلا کر رکھا ہے کہ اگر شرحِ زکوٰۃ اب بھی اڑھائی فی صدی ہو تو حکومت کا نظم و نسق نہیں چل سکتا۔ موجودہ زمانے میں اپنی بقا کے لئے ضروری ہے کہ ہماری فوج لاکھوں سپاہیوں پر مشتمل ہو اور جدید ترین اسلحہ سے مسلح ہو۔ تعلیم، صحتِ عامہ، ذرائع رسل و رسائل، زرعی اصلاحات کی تجاویز، صنعتی ترقی کے لئے منصوبہ بندی اور دیگر امور کے لئے اربوں روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حکومت کی وہ ضروریات بلکہ فرائض ہیں جن سے ایک لمحہ کے لئے بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ پھر ان موجودہ حالات میں اڑھائی فی صدی کی شرحِ زکوٰۃ ان اخراجات کی کیسے کفیل ہو سکتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ حکومتِ وقت کو اختیار ہو کہ وہ اپنی ضروریات کے پیشِ نظر اس شرح کو گھٹا بڑھا سکے۔

اسے بنیاد تصوّر کرتے ہوئے وہ یہ کلیہ مستنبط کرتے ہیں کہ خلافت کا قیام اقامت دین کے لئے فرض عین ہے اور زکوٰۃ کی شرح بڑھائے بغیر اسلامی خلافت کا قیام محال ہے اس لئے جو چیز فرض کی ادائیگی میں مزاحم ہو وہ واجب الترک ہے اور جب شرحِ زکوٰۃ واجبُ الترک ہے جو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مقرر فرمائی تو ہر وہ چیز جسے حضورؐ نے متعین فرمایا مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر ترک کی جا سکتی ہے اس لئے ثابت ہوا کہ اُمت پر حضورؐ کا فرمان حجت نہیں۔

ان حضرات نے حکومت کی ذمہ داریوں اور اس کے اخراجات کا جو اندازہ لگایا ہے وہ حرف بحرف دُرست ہے لیکن زکوٰۃ کا مفہوم سمجھنے میں اُن کی عقل نے دھوکہ کھایا ہے وہ زکوٰۃ کو ٹیکس کا مترادف سمجھ رہے ہیں اور اسی پر انہوں نے اپنا قصرِ استدلال تعمیر کیا ہے لیکن ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج — تا ثریا می رود دیوار کج

یہی اُن کی بنیادی غلطی ہے جس نے اُن کو گوناگوں اُلجھنوں میں گرفتار کر دیا ہے

ٹیکس کا مفہوم الگ ہے اور زکوٰۃ کا مفہوم الگ۔ اس لئے ان کے مصرف میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے ٹیکس کہتے ہیں اُس معاوضہ کو جو انسان حکومتِ وقت کو بحالی امن، حفاظتِ جان و مال اور اندرونی اور بیرونی جنگوں کی روک تھام کے لئے ادا کرتا ہے جیسے معاشیاتِ جدید کی کتابوں میں صراحۃً مذکور ہے:-

The Stat grants protection, in return for which it is entitled to a share in the incom of the People which is called tax.

اس لئے حکومت اپنی صوابدید کے مطابق جہاں چاہے اسے خرچ کرنے کی مجاز ہے۔

زکوٰۃ کا اسلامی مفہوم

لیکن زکوٰۃ کا اسلامی مفہوم اس سے بہت مختلف ہے۔ اس سے غرض تو یہ ہے کہ ملّت کے ان افراد کی قانونی طور پر کفالت کر دی جائے جو پیدائشی طور پر کسبِ معاش سے قاصر ہیں یا کسی بیماری اور حادثے نے انہیں معذور کر دیا ہے یا تجارتی ناموافق حالات کے باعث ان کا سرمایہ برباد ہو چکا ہے اور ان کی ذہنی قابلیتیں اور قیمتی کاروباری تجارب قرضے کی آہنی زنجیروں میں جکڑے جانے کی وجہ سے معطل ہو چکے ہیں۔ یا موت کے بے رحم ہاتھوں سے کسی کا سہاگ لٹ چکا ہے اور اب وہ بے بس ہے۔ یا ملّت کے وہ افراد جن کا سارا وقت ملّت کی کسی خاص خدمت میں گزر جاتا ہے اور یہ زکوٰۃ ہر مالکِ نصاب مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر انفرادی طور پر فرض ہے۔

اب اگر حکومتِ اسلامیہ قائم ہے تو اسلام اس پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ تمام ذی استطاعت لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے اگر وہ بطیبِ خاطر دینے کے لئے تیار نہ ہوں تو بہ جبر وصول کرے اُسے حکم ہے:-

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً۔ (لو اُن کے مالوں سے صدقہ (زکوٰۃ)

اور زکوٰۃ سے وصول شدہ روپیہ کو حاجتمندوں کی حاجت روائی میں نہایت نظام اور سلیقہ سے خرچ کرے تاکہ وہ خوش نصیب خطۂ زمین جس پر اسلام کا مبارک پرچم سایہ فگن ہے۔ اس میں کوئی یتیم اور کوئی بیوہ بے آسرا نہ رہے۔ کوئی انسان فاقہ کش اور حاجت مند نہ ہو۔ تاکہ یہ اُمت اس سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کا سہارا بنی ہوئی ہوتی ہے کانھم بنیان مرصوص یشد بعضہ بعضا۔ اور غریب و امیر اور مزدور اور سرمایہ دار کی طبقاتی کشمکش کی آگ سے اس کا دامن محفوظ رہے تاکہ ہر تاجر اور کارخانہ دار اپنے مستقبل کو بیمہ شدہ Insured محسوس کرتے ہوئے ملک کی معاشی اور صنعتی ترقی میں پورا حصّہ لے سکے اور صنعتی اور اقتصادی بحرانوں کا خطرہ اسے حفظِ ماتقدم کے طور پر ناجائز نفع لینے پر مجبور نہ کرے اور اپنے مستقبل سے مطمئن ہو کر وہ اپنی صنعت کو بہتر سے بہتر بنانے میں اپنی تمام تر توجہ صرف کر سکے۔

کاش! ایسی اسلامی حکومت ہمیشہ اور ہر جگہ قائم رہتی! افسوس! کہ ایسا نہیں! اب جب کہ یہ حقیقت ہے۔ کتنی تلخ ہی سہی! اور واقع ہے۔ کتنا اندوہناک ہی سہی! کہ مسلمان ممالک غیر مسلم حکمرانوں کے قبضے میں چلے گئے۔ یا مسلمانوں میں سے ہی بے دین طبقہ برسرِ اقتدار آ گیا۔ یا چند مسلمان کسی مصلحت سے کسی غیر اسلامی ملک میں اقامت گزیں ہو گئے اور ایسی حکومتیں ٹیکس وصول کرتی ہیں اور ان حاجتمندوں کی ضروریات کی طرف توجہ نہیں کرتیں تو کیا ان حالات میں مسلمان ذی استطاعت لوگ ٹیکس ادا کر کے یہ سمجھ لیں کہ ہم زکوٰۃ کے فریضہ سے سبکدوش ہو گئے۔ اب ان یتیم بچوں، ان حسرت نصیب بیواؤں، ان شکستہ خاطر بیماروں یا ان ستم رسیدہ اور برباد شدہ لوگوں کی اعانت ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض نہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ کیا یہ اسلام کی پاکیزہ

تعلیمات کے موافق ہے؟ کیا یہ اس بات کا اعتراف نہیں کہ شریعتِ اسلامیہ ان ناموافق حالات میں ان ضرورتمندوں کی دستگیری کرنے سے قاصر ہے؟

ہرگز نہیں۔ اسلام اس وقت ہر مسلمان مرد اور عورت سے مطالبہ کرتا ہے بلکہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے مال سے اس ٹیکس کے علاوہ زکوٰۃ نکال کر اپنے ضرورت مند بھائیوں اور بہنوں پر خرچ کرے۔

ذرا غور کیجئے ہندوستان کا مسلمان جس نے اس لئے ہندو کی غلامی کی بیڑیاں خوشی سے پہنی تھیں کہ کہیں ایک ایسی سلطنت معرض وجود میں آجائے جہاں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق عمل ہو۔ اب اگر ان حضرات کے اس نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے کہ زکوٰۃ ٹیکس کے علاوہ کچھ نہیں تو وہاں کے سارے مسلمان تو دولت مند نہیں۔ ان میں بیمار بھی ہیں، اپاہج بھی، یتیم بھی ہیں اور بیوائیں بھی۔ ان کی حفاظت اور دستگیری اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہاں کے ذی استطاعت مسلمانوں پر واجب نہ ہو تو کون ان کی مدد کو آئے گا؟ کیا حکومت ہند جس کا دامن بے گناہ مسلمانوں کے خون سے لت پت ہے؟ کیا برلا اور ٹاٹا جن کی تجوریوں کے منہ ان غنڈوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں جو مسلمانوں کو ہراساں کر کے ان کے وسائل معاش کو زبردستی ان سے چھین رہے ہیں؟ کیا ہندو مہاسبھا کے مکرجی آپ کے یتیم بچوں کی آنکھوں سے نہ تھمنے والے آنسو خشک کریں گے؟

کیونکہ زکوٰۃ سے مقصد ہر حالت میں اور ہر وقت میں اُمت اسلامیہ کے ضرورت مند طبقہ کی قانونی طور پر کفالت کرنا ہے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی شرح اڑھائی فی صدی مقرر فرما دی اور زکوٰۃ کو ٹیکس کا مترادف قرار دے کر اسلام کے نظام اقتصادیات کی اس جلیل القدر بنیاد کو منہدم کرنا ہے جس پر یہ قصرِ رفیع قائم ہے اور یہ نظام زکوٰۃ اسلام کا وہ طرۂ امتیاز ہے جو اس کی صداقت اور من اللہ ہونے پر

شاہد عادل ہے۔ آپ غور کریں اگر ٹیکس اور زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں اور دونوں ایک ہی چیز ہیں تو اس میں اسلام کی کون سی خصوصیت ہے۔ دُنیا کی تمام حکومتیں اپنی ضروریات کے مطابق ٹیکس لگاتی ہیں اور وصول کرتی ہیں۔

یہ حضرات کسی اسلامی اصول کی گہرائی میں اُترنے کی زحمت تو برداشت کرتے نہیں اور ایک سطحی نظر ڈال کر اس پر اپنا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں یہ ان کا قصور ہے یا اسلام کا؟ ؎

تیری نگاہ فرومایہ ہاتھ ہے کوتاہ　　تیرا گناہ کہ نخیلِ بلند کا ہے گناہ

زکوٰۃ کی اس غرض و غایت کو ہادیٔ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان مبارک الفاظ میں واضح فرمایا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث معاذًا رضی اللہ عنہ الی الیمن فقال: ادعھم الی شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ فان اطاعوک فاعلمھم ان اللہ قد افترض علیھم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ فان ھم اطاعوا لذٰلک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ فی اموالھم تؤخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم۔ (صحیح البخاری۔ باب وجوب الزکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا کہ پہلے انہیں دعوت دینا کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی خدا نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ یہ بات مان لیں، تو انہیں یہ سکھانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں ہر دن رات میں فرض کی ہیں اور اگر وہ یہ بھی تسلیم کر لیں تو پھر انہیں یہ سکھانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے دولت مندوں سے لیا

جائے گا اور ان کے فقراء میں تقسیم کیا جائے گا۔

کیونکہ زکوٰۃ کا مقصد امت کے اس ضرورت مند طبقہ کی قانونی طور پر کفالت کرنا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی آمدنی کے خرچ کرنے کی جگہوں کو خود متعین فرما دیا۔ ارشاد ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

ترجمہ: زکوٰۃ وصدقات حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا مقصود ہو اور گردنوں کے چھڑانے کے لئے (یعنی قیدیوں اور غلاموں کی دستگیری کے لئے) اور اُن کے لئے جو تاوان کے بوجھ سے دبے ہوتے ہیں (یعنی قرض دار اور ضامن) اور اللہ کے راستہ میں (جان سے لڑنے والوں کے لئے) اور مسافروں کے لئے یہ مقرر ہے خدا کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔

واقعی اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ اگر اس نے یہ مصرف اپنے کلام مجید میں ذکر نہ کر دیئے ہوتے تو ان حضرات کے لئے میدان صاف تھا پہلے شرح زکوٰۃ پر برستے پھر مصارفِ زکوٰۃ پر ہاتھ صاف کرتے اور اس طرح عمل بالقرآن کے دعوٰی کی آڑ لے کر ایوانِ شریعت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ لیکن اس علم والے اور حکمت والے خدا نے کتاب وحکمت کا ایسا حسین امتزاج کیا ہے کہ نثار ہونے کو جی چاہتا ہے۔ حکمت کو شارح کتاب بنایا اور کتاب کو محافظِ حکمت۔ اور کسی مدعی اسلام کے لئے ایک کو چھوڑ کر دوسرے پر عمل کرنا ناممکن بنا دیا۔ تارکِ سنت کو ترکِ قرآن کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور عامل بالقرآن کو عمل بالسنت کے بغیر بن ہی نہیں پڑتی

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

زکوٰۃ کے مال سے وزراء کی کوٹھیوں کو فرنیچر سے مزین نہیں کیا جا سکتا۔ بڑے بڑے افسروں کی تنخواہوں اور بھتوں میں خرچ نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی یہ مال سیر وسیاحت اور ڈنروں اور ٹی پارٹیوں میں اڑایا جا سکتا ہے اور تو اور اس مال سے ایک پائی مسجدوں کی تعمیر ومرمت کے لئے خرچ کرنا بھی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کی رُو سے زکوٰۃ کا مصرف تو صرف یہ آٹھ گروہ ہیں۔ اب آپ غور فرمائیے کہ اگر اڑھائی فی صدی کے حساب سے باقاعدہ زکوٰۃ وصول کی جائے تو ان ضروریات کے لئے کیا کافی نہیں ہو سکتی؟

میں ان حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر حکومت زکوٰۃ کو وصول کر کے اسے پانچ سال تک غربت، جہالت اور مقروضیت وبیماری وغیرہ سے جنگ کرنے میں خرچ کرے تو آپ کو پاکستان بھر میں کوئی بھوکا، کوئی جاہل، کوئی مقروض اور کوئی بے سہارا آدمی نظر نہ آئے۔ جو چیز آگ کے طوفان اور خون کے دریا بہانے کے بعد اشتراکیت حاصل نہیں کر سکی وہ آپ نہایت امن سے کسی کی حاصل کردہ دولت کو غصب کئے بغیر اور کسی کو اس کے جائز حق سے محروم کئے بغیر حاصل کر سکتے ہیں۔

لیکن یہاں مقصود اصلاح تو ہے نہیں تاکہ ان امور کی طرف توجہ دی جائے جو کرنے کے ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان واضح عقائد میں تزلزل پیدا کیا جائے جو اللہ کے رسول کے احکام کے مطابق مسلمانوں کے دلوں میں جگہ پکڑ چکے ہیں۔ اور ایسے حیلے تراشے جائیں جن کے رُو سے دولت کے پجاریوں کو زکوٰۃ کے بارِ گراں سے نجات دلائی جا سکے۔ اور ان کے دل ودماغ پر اپنے اجتہاد اور علم کا سکہ جمایا جا سکے۔ باقی رہی قوم، اس کے یتیم بچے اور اس کی حرماں نصیب بیٹیاں! تو ان سے انہیں کیا واسطہ؟ صاحب کی کرسی سلامت رہے اور یکم تاریخ کو تنخواہ سے جیب گرم

ہوجائے تو سب خیریت ہے۔ اللہ تعالیٰ "رُخِ ہچوں ماہِ تاباں دل ہچوں سنگ خارا" کی قماش کے مصلحین سے اس امت کو محفوظ رکھے ؎

خدا ایں سخت جاں را یار بادا کہ افتادست از بام بلندے

وہ حضرات (منکرینِ سنتِ نبوی) فرماتے ہیں کہ قوم زکوٰۃ بھی دے اور ٹیکس بھی۔ اتنا بوجھ قوم کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ اور دوسری طرف حکومت کو کھلی چھٹی دیتے ہیں کہ وہ قوم کی آمدنی سے جتنے فی صد (بیس یا پچاس فی صد یا اس سے بھی زائد) چاہے ٹیکس وصول کر سکتی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اگر حکومت پچاس فی صد ٹیکس وصول کرلے تو کوئی بات نہیں۔ لیکن اگر اسی پچاس فی صد میں سے اڑھائی فی صد زکوٰۃ کے نام سے لے اور اسے صرف ان مصارف میں خرچ کرے جو قرآن کریم نے خود ہی متعین فرما دیئے ہیں۔ اور باقی ساڑھے سینتالیس فی صد ٹیکس کے نام سے وصول کرلے تو قوم کی کمر صرف دوہری ہی نہیں بلکہ ٹوٹ کر چکنا چور ہوجائے گی۔ کوئی ان عقل و دانش کے اجارہ داروں سے پوچھے کہ زکوٰۃ میں کون سا ثقل پنہاں ہے جس سے حکومت کا ہلکا پھلکا پچاس فی صدی ٹیکس ناقابلِ برداشت ہوجاتا ہے۔

مُلّا اور زکوٰۃ

ان لوگوں کو شاید یہ فکر ہلکان کئے ہوئے ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مولوی یا مُلّا (یا جس لفظ سے وہ داعیانِ حق کو مخاطب فرمائیں) کی جیب میں چلی جائے گی۔ وہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کے دین کے پرچم کو بلند رکھنے کا عزم کرنے والے اس سے ایک پائی بھی نہیں لیں گے۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ حکومت زکوٰۃ خود لے کر ضرورتمندوں میں اپنی نگرانی میں خرچ کرے۔

مُلّا تو نذیرِ عریاں صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہے وہ تو تمہیں بروقت مطلع کر

7690

رہا ہے کہ میں نے بے سہارا یتیموں کی دھنسی ہوئی آنکھوں کے پردوں میں وہ آنسوؤں کے قطرے دیکھے ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ اگر ہمیں اور یونہی ستایا گیا تو ع

بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

مُلّا تمہیں بتا رہا ہے کہ میں نے ان مریل لاشوں کو جو تم نے مُردہ سمجھ کر اپنے شبستانوں سے دور پھینکوا دی تھیں۔ میں نے ان میں بغاوت کا خون گردش کرتے دیکھا ہے۔ ان میں پھر حرکت پیدا ہو رہی ہے۔ وہ صبر کا کفن جس میں تم نے انہیں لپیٹا تھا وہ اب تار تار ہونے والا ہے۔ ان کی معنی خیز خاموشی کہہ رہی ہے ؎

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دل
مدت ہوئی ہے چاک گریباں کئے ہوئے

مُلّا تمہیں بتا رہا ہے کہ میں نے اپنے پڑوس میں تمہارے راحت کدوں سے دور، بہت دور، بے آسرا بیواؤں کے گلو شکستہ نالوں کو زلزلہ بنتے دیکھا ہے۔ اور اپنی ان دو آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بہت سو لئے اب تو جاگو! بہت دادِ عیش دی۔ اب تو ہوش میں آؤ۔ ساری شبِ عمر تو ہنگامہ گستری میں کٹی اب تو سپیدۂ سحر طلوع ہو رہا ہے۔ اب تو اللہ کا نام لو۔

ورنہ! ورنہ سیلاب آئے گا خون کا سیلاب جس میں تم اور تمہارا متاعِ عیش و عشرت تنکوں کی طرح بہ جائے گا۔ ورنہ قیامت آئے گی سُرخ قیامت جو تمہاری لذّات و شہوات کی دنیا کو درہم برہم کر دے گی اور تم یہ کہتے ہو مُلّا ہے مُلّا۔ بک رہا ہے۔ اسے بکنے دو۔ چپ نہیں کرتا تو اس کا منہ سی دو۔ اس کی زبان کاٹ دو۔ یہ بھوکا مُلّا ہم سے خیرات مانگتا ہے۔ یہ نکما مُلّا ہماری دولت میں شریک بننا چاہتا ہے۔

لیکن خدا شاہد ہے کہ مُلّا سچ کہہ رہا ہے۔ اگر آج نہ مانو گے تو کل ضرور ماننا

پڑے گا لیکن اس سے کیا حاصل ؟ مکافاتِ عمل کا فرشتہ اس وقت ہر معذرت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دے گا:

آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ

اب پچتانے سے کیا حاصل ! آج تک تو سرکشی کرتے رہے۔

یہ حضرات اگر علماء اسلام کے زرّیں کارناموں کو پڑھتے اور ان کی جلیل القدر تصانیف کا مطالعہ کرتے تو انہیں ان کی عظمت، ان کی بالغ النظری ان کی قرآن فہمی کا اندازہ ہوتا۔ انہیں پتہ چلتا کہ جب دنیا جہالت و وحشت کی تیرگیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جب عدالتِ اجتماعیہ کا کہیں تصوّر تک بھی نہ تھا۔ جب حریت و مساوات کی کہیں کرن تک نہیں پھوٹی تھی۔ تو اس وقت فقط ان علماء کے ہاتھ میں ہی رشد و ہدایت اور علم و نور کی مشعل تھی۔ انہیں میں سے ایک مُلّا کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں جو اس نے فرائضِ امیر کے متعلق لکھی ہے۔

شرعۃ الاسلام کے مصنف سید علی زادہ حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

ولا یدع فقیرا فی ولایتہ الا اعطاہ ولا مدیونا الا قضی عنہ دَینہ ولا ضعیفا الا اعانہ ولا مظلوما الا نصرہ ولا ظالما الا منعہ عن الظلم ولا عاریا الا کساہ کسوۃ[1]۔

یعنی :- امیر المؤمنین پر فرض ہے کہ وہ اپنی مملکت میں کسی فقیر کو فقیر نہ رہنے دے۔ اور کسی قرض دار کو قرض دار باقی نہ رکھے اور نہ کسی کمزور کو بے یار و مددگار رہنے دے اور نہ کسی مظلوم کو دادرسی سے محروم رکھے اور نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور ہر ننگے کو لباس مہیّا کرے۔

[1] اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۲

اب پھر اپنے اصلی موضوع کی طرف لوٹیں۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ زکوٰۃ کا مفہوم ٹیکس کے مفہوم کے مترادف نہیں جیسے ان حضرات کو غلط فہمی ہوئی۔ بلکہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں اور زکوٰۃ کو فرض کرنے کا مقصد حاجت مند طبقہ کی قانونی طور پر کفالت کرنا ہے۔ اور یہ ہر حالت میں ہر ذی استطاعت مسلمان پر فرض ہے اور اس کے خرچ کرنے کی جگہوں کو اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرما دیا ہے جن کے بغیر اس مد کی آمدنی سے ایک پائی بھی خرچ نہیں کی جا سکتی۔ تو اب یہ باور کرنے میں کوئی شبہ نہ رہا کہ زکوٰۃ کی جو شرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی ہے وہ ہر حالت کے لئے ہے اور ہر زمانے کے لئے۔ کیونکہ زکوٰۃ کی فرضیت کتاب سے ثابت ہوئی تو اس کی شرح اور اس کے اسباب اور شرائط کو حکمت نے واضح کر دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بعینہٖ اسی طرح تعمیل ہو جس طرح منشأ خداوندی ہے۔

اگر حکومتِ اسلامی دیگر ضروریات کے لئے مزید روپیہ کی ضرورت محسوس کرے تو اسے اختیار ہے کہ دولت مند طبقہ پر مزید ٹیکس لگائے اور اگر دولت مند طبقہ بخوشی ادا نہ کرے تو امیرِ وقت جبراً بھی ان سے وصول کر سکتا ہے۔

ایک اور مثال

ایک اور مثال سنئے قرآن کریم میں ہے کہ

يُحِلُّ اللّٰهُ لَكُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْكُمُ الْخَبَآئِثَ

حلال کیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں اور حرام کیں تم پر ناپاک چیزیں۔

سارے قرآن میں چار چیزیں ہیں جن کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ مُردار، خون[2]، خنزیر[3] اور وہ[4] جانور جسے غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ اس کے علاوہ اور سینکڑوں چیزیں حرام ہیں۔ مثلاً کوا، گدھ، گدھا، سانپ وغیرہ۔ ان کو حضور کریمؐ نے حرام فرمایا۔ کیا آپ ان کو حلال کر دیں گے۔ کتاب اللہ نے خبائث کو حرام کیا

اور حکمت نے ان خبائث کی تفصیل بیان کر دی۔ یہ غلط ہے کہ قرآن محتاج ہے احادیث کا۔ لیکن اس کی صحت میں ذرا شبہ کرنا انتہائی حماقت ہے کہ ہم قرآن سمجھنے میں احادیث نبوی کے محتاج ہیں۔ کیونکہ قرآنِ حکیم براہِ راست سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اور حق جل شانہٗ نے اس کے تمام احکام کی تعبیر، اخبار و حکایات کا پس منظر، اجمال کی تفصیل، اشارات و کنایات کی تفسیر، اصطلاحات کی تشریح، آیاتِ بینات اور متشابہات کا مفہوم اور حروفِ مقطعات کا حل اپنے محبوبِ کریم کو واضح طور پر سمجھا دیا کیونکہ اگر قرآن کا کوئی گوشہ حضورؐ کے علم سے مخفی رکھا جاتا تو پھر اس کے نازل کرنے کا فائدہ ہی کیا؟ اس حقیقت کو سورۃ القیامہ میں نہایت واضح طور پر بیان کیا گیا۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ (القیامۃ ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹)

ترجمہ:۔ تم یاد کرنے کی جلدی میں اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ بیشک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو پھر بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

اس تفصیل سے مقصد تو صرف یہ واضح کرنا ہے کہ بجز ارشادِ رسالت مآب ہم قرآن کریم کے کسی حکم کی تعمیل اس طرح نہیں کر سکتے جیسے کہ منشاء خداوندی ہے۔

للہ در من قال

بکوئے عشق منہ بے دلیلِ راہ قدم — کہ من بخویش نمودم صد اہتمام نشد

اس لئے قرآن پر عمل کرنے والے کے لئے اتباعِ سنت کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

میری اس گزارش پر کہ حکمت سے مراد سنتِ نبوی ہے یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ تب درست ہے جب حکمت خاصۂ نبوت ہو، اور کوئی غیر نبی حکمت کا حامل نہ ہو۔ حالانکہ نصوص قرآنی میں اس کی تصریح ملتی ہے کہ حکمت انبیاء کے علاوہ غیر انبیاء کو بھی عطا کی جاتی ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ (البقرۃ ۲۶۹)

ترجمہ:۔ دیتا ہے حکمت جسے چاہتا ہے اور جسے حکمت دی جائے اُسے تو خیر کثیر عطا کی گئی۔

اِس کے علاوہ اور بھی کئی آیات اس مضمون کی تائید کرتی ہیں۔

جواباً التماس ہے کہ میں نے اس حکمتِ خاص کا معنی سنت کیا ہے جو کتاب کے ساتھ مذکور ہوتی ہے اور یہ حکمت غیر انبیاء کی حکمت سے بالکل ایک جدا چیز ہے۔ ان دو حکمتوں کا بین فرق تو یہ ہے کہ نبی کی حکمت منزل من اللہ ہوتی ہے جیسے آیاتِ کثیرہ سے ظاہر ہے اور غیر انبیاء کی حکمت سے مراد وہ ملکہ ہے جس کی وجہ سے نظر و فکر کرنے سے حقائق اشیاء پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ اول الذکر میں غلطی ممتنع اور آخر الذکر میں غلطی کا وقوع عین ممکن۔ اور اگر آپ اس فرق کو تسلیم نہ کریں اور حکمتِ انبیاء سے مراد بھی وہ ملکہ ہو جس کی وجہ سے نظر و فکر کرنے سے حقائق اشیاء پر آگاہی حاصل ہوتی ہے تو پھر عرض یہ ہے کہ یہ تصریح تو خود اللہ تعالیٰ نے فرما دی کہ انبیاء کو حکمت عطا کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ یہ تو فرمایا کہ ہم لوگوں کو حکمت سے نوازتے ہیں۔ لیکن یہ تصریح کہیں بھی نہیں کہ فلاں فلاں کو حکمت کا انعام دیا گیا۔ اب یہ کیسے پتہ چلے کہ فلاں شخص کو واقعی حکمت دی گئی ہے۔ اس لئے

وہ واقعی حکیم ہے اور اس کے نتائج فکر پر عمل پیرا ہونا موجب عز و فلاح ہے۔ یوں تو دنیا میں بے شمار ایسے آدمی آپ کو ملیں گے جو قالاً یا حالاً مدعی حکمت ہیں۔ اگر فقط کسی کے دعوائے حکمت سے کسی کی حکمت مسلم ہو جائے تو آپ کو ان فلاسفہ کو بھی قرآنی اصطلاح میں حکیم ماننا پڑے گا۔ جو سرے سے وجود باری کے منکر ہیں جو فسق و فجور اور بداخلاقی کے داعی ہیں اور جن کے افکار و آراء کی برکت سے آج انسان چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر کا منظر پیش کر رہا ہے۔

کیا آپ ان کو بھی اس حکمت کا حامل سمجھتے ہیں۔ جسے قرآن نے خیر کثیر کہا ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ امتیاز کرنا ہوگا کہ وہ کون خوش نصیب ہے جسے خیر کثیر انعام مرحمت ہوا۔ یہ جاننے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کے نتیجۂ فکر کا موازنہ اس حکیم سے کیا جائے جس کے متعلق یقین ہو کہ وہ صاحب حکمت ہے۔ جس مدعی حکمت کی حکمت اس حکیم کے مطابق ہوئی اس کی حکمت مسلّم ورنہ مردود۔ ہم صرف نبی کے متعلق ہی یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ صاحب حکمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بار بار انبیاء پر حکمت نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ تو اب قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق وہی حکیم اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا کے مژدۂ جانفزا کا مستحق ہوگا جس کی حکمت، حکمتِ نبوی سے ہم آہنگ ہوگی۔ ورنہ وہ دشتِ ظن و تخمین کا بھٹکا ہوا مسافر ہے جو خود ابھی منزلِ مقصود سے کوسوں دور ہے وہ کسی دوسرے کی رہنمائی کے قابل کب؟

اطاعتِ امیر

دوسروں کے متعلق تو منکرینِ سنت کو یہ شکایت ہے کہ ان لوگوں نے تاویلات سے قرآنی روح مسخ کر دی ہے اور اس کے حقائق کی رعنائی اور دلآویزی کو اپنے افکار کے دبیز پردوں میں چھپا دیا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں توڑ موڑ کرنا ایک گناہ کبیرہ ہے جس

کے لئے قیامت کے روز سخت محاسبہ ہوگا۔ لیکن تعجب اس پر ہے کہ جب ان کی اپنی باری آتی ہے تو یہ حضرات وہ وہ تاویلیں کرتے ہیں جن سے آیاتِ قرآنی صراحۃً انکار کرتی ہیں کیونکہ جب ان سے عرض کیا گیا کہ قرآن میں بار بار اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی، کا حکم مذکور ہے اس لئے اطاعتِ رسول سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ یہ آیات سن کر اپنی غلطی کا اعتراف کرتے اور اس رائے کو بدل دیتے۔ انہوں نے اپنی رائے بدلنے میں تو اپنے علمی وقار و تمکنت کی سبکی سمجھی اور نہایت بیباکی سے آیاتِ قرآنی کے معانی میں تحریف کر دی۔ جھٹ کہہ دیا کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے خدا اور رسول کی اطاعت مراد نہیں بلکہ حکومتِ وقت کی اطاعت ہے۔ ع

چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد

ان کے نزدیک تو آگ کا معنی ہوا اور سمندر کا معنی ریگستان ہے لیکن ہمارے فکرِ نارسا کے لئے تو یہ نکات ناقابلِ فہم ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے جو ابھی تک آگ کا معنی ہوا سمجھنے سے قاصر ہیں کاش! یہ حضرات ان لطائف کا اظہار نہ فرماتے۔ سچ کہئے! کیا یہ قرآن کی تحریف نہیں؟ کیا یہ آیاتِ قرآنی کا مسخ نہیں؟ کیا یہ خدا کی آخری کلام سے مذاق نہیں؟ یقیناً یہ تحریف ہے مسخ ہے مذاق ہے۔ اُن کو اس سے باز آنا چاہئے۔

زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

آج تک نظامِ شرعی اور عقائدِ اسلامی کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے لرزہ خیز آندھیاں چلیں، اور ہوش رُبا طوفان اُمڈے۔ لیکن اپنی تمام بیباکیوں کے باوجود اطاعتِ رسول کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت کسی کو نہ ہوئی۔ شومئے قسمت! یہ سعادت ان لوگوں کے حصّہ میں لکھی تھی۔ جو اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتے ہیں اور عمل بالقرآن

کے مدّعی ہیں کہ وہ اس اساس محکم کو پیوند خاک کرنے میں اپنی تمام قوتیں اور قابلیتیں صرف کر دیں۔ جس کے سہارے امت مرحومہ نے ہر سیلِ حوادث کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا اور جس کی برکت سے اس کا وجود چنگیزی غارت گریوں اور صلیبی آگ اور موت اگلنے والی یورشوں کے باوجود آج تک رونق بزم ہستی بنا ہوا ہے۔

اگر اُن کا مفروضہ ایک لمحہ کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت حضور کی ظاہری مدّت زیست تک فرض تھی تو قرآن نے کیوں ایک آیت میں اس کی تصریح نہ کر دی کہ حضورؐ کے انتقال فرمانے کے بعد تم پر اطاعت رسول فرض نہیں بلکہ اس وقت تم اپنے خلیفہ کو اپنا مطاع بنانا۔ اطاعتِ رسول پر تو اتنا زور دیا کہ سینکڑوں آیتیں اس سبق کو ذہن نشین کرانے کے لئے وقف کر دیں اور اس امر کا اشارۃً بھی ذکر نہ کیا کہ رسول کے بعد اطاعتِ رسول سے مراد اطاعتِ حاکمِ وقت ہے۔

اگر وہ ایک ہی ایسی آیت دکھا دیتے جس سے صراحۃً نہ سہی کنایۃً ہی یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے داغِ مفارقت دے جانے کے بعد امت حضورؐ کی اطاعت سے سبک دوش ہے تو کوئی بات بھی تھی لیکن اطاعتِ نبوی پر ان گنت شواہد و براہین کی موجودگی میں ان کا ایک ایسی آیت بھی پیش نہ کر سکنا۔ اُن کے دعوے کے بطلان کے لئے کافی ہے۔

اگر قرآن کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ هُدًى لِّلنَّاسِ یعنی وہ بنی نوع انسان کے لئے قیامت تک کے لئے پیغامِ ہدایت ہے اگر اس کا یہ اعلان مبنی برحقیقت ہے کہ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ کہ اس میں ظاہر اور کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔

اگر یہ بھی درست ہے کہ اطاعتِ نبوی پر سینکڑوں آیتیں شاہد عادل ہیں۔ اور اگر وہ برسوں کی جگر کاوی اور دیدہ سوزی کے باوجود ایک ایسی آیت کی نشان دہی

بھی نہیں کر سکے جس میں حضورؐ کی اطاعت محدود ہو حضور کی حیاتِ ظاہری پر

تو پھر

کیا یہ حقیقت واشگاف نہیں ہو جاتی کہ وہ اس مسئلہ میں بُری طرح بھٹک گئے ہیں اور دانش مندی اور دیانتداری کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اس طرزِ فکر سے علی الاعلان بیزاری کا اظہار کریں اور اگر وہ پھر بھی اسی پر مُصر ہوں تو ہمارے لئے یہ باور کرنے میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ سب کچھ دانستہ طور پر کیا جا رہا ہے اور کرایا جا رہا ہے اور انکارِ سنت کا فتنہ ان فتنوں سے ایک ہے جس کے متعلق نہایت صفائی سے اس ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں پہلے اپنی امّت کو متنبہ فرما دیا تھا۔

عن المقدام بن معدی کرب قال: حرم النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشیاء یوم خیبر، منها الحمار الاهلی وغیرہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یوشك ان یقعد الرجل منکم علیٰ اریکته یحدث بحدیثی فیقول بینی وبینکم کتاب اللہ فما وجدنا فیه حلالا استحللناه وما وجدنا فیه حراما حرمناه۔ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ۔

(وهٰذا حدیث صحیح رواه احمد فی مسنده من وجهین مختلفین ورواه الدارمی وابوداؤد والترمذی وابن ماجه[1])

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدی کرب نے کہا کہ خیبر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلی گدھے کو اور دوسری چیزوں کو حرام کیا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا عنقریب تم میں سے ہی ایک آدمی اپنی مزیّن چارپائی پر بیٹھے گا اور جب

[1] ھامش الرسالۃ للامام الشافعی طبع احمد شاکر ص۹ الموافقات الشاطبی ص۵ ج ۴۔

اس کے سامنے میری حدیث پیش کی جائے گی تو کہے گا میرے اور تمہارے درمیان صرف قرآن ہے جس چیز کو ہم نے قرآن میں حلال پایا اسے حلال سمجھیں گے اور جس کو اس میں حرام پایا اسے حرام سمجھیں گے (پھر فرمایا) یقیناً جس چیز کو اللہ تعالیٰ کے رسول نے حرام کیا وہ اسی طرح حرام ہے جیسے اسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہو (کیونکہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ جس نے رسول کی اطاعت کی صرف اسی نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ نیز رسول جس چیز کو حرام کرتا ہے وہ اپنے رب کے حکم سے حرام کرتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى)۔

اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام احمد، دارمی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے صحیح اسناد سے روایت کیا ہے۔

وہ حضرات جن کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولِ کریم کی صداقت پر ایمان ہے انہیں تو اس واضح اور بین ارشادِ نبوی سننے کے بعد منکرینِ سنت کی غوغا آرائیاں اور پھبتیاں راہِ حق سے نہیں بھٹکا سکتیں۔ ان کے لئے یہ فتنہ کوئی نیا نہیں انہیں اچھی طرح معلوم ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اور وہ تو بغیر گھبرائے اس فتنہ کا نہایت پامردی سے مقابلہ کریں گے اور اپنے ایمان کی متاعِ عزیز کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد فرمائے گا۔ کیونکہ حضور کریمؐ نے اس دارِ فانی میں زیادہ دیر اقامت گزیں نہیں ہونا تھا اور حضورؐ کے بعد امورِ مملکت کی ذمہ داری خلفاء اور امراء نے سنبھالنی تھی۔ اس لئے ان کی اطاعت کا بھی حکم دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور امراء کی جو تم سے ہوں۔

لیکن اطاعت رسول اللہ اور اطاعتِ امیر میں ایک بین فرق ہے اس بات کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا کہ نبی جملہ امور میں خصوصاً تبلیغ احکامِ شرعی میں بالکل معصوم عن الخطا اور منزہ عن النسیان ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت کا جہاں حکم دیا غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا۔ مثلاً

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر ۷)

ترجمہ:۔ جو کچھ تمہیں رسول دے لے لو اور جس سے روکے رُک جاؤ۔

رسول کا ہر حکم واجب التسلیم ہے اور اٹل۔ اس میں کسی کو مجال قیل وقال نہیں۔ لیکن خلیفہ کے معصوم ہونے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے نہیں لیا۔ اس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے اس لئے اس کی مشروط اطاعت کا حکم دیا کہ اس کے حکم کو خدا و رسول کے فرمان کی روشنی میں پرکھو۔ اگر اس کے مطابق ہے تو اس پر عمل فرض۔ ورنہ اسے چھوڑ دو وہ ہرگز واجب التسلیم نہیں حضور کریم کا ارشاد ہے۔

لا طاعة للمخلوق فی معصية الله۔

خدا کی نافرمانی کر کے مخلوق کی فرمانبرداری ہرگز جائز نہیں۔

اس لئے اطاعتِ حاکمِ وقت کا حکم فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النساء ۵۹)

ترجمہ:۔ پھر اگر تم میں کسی بات پر جھگڑا اٹھے تو اسے لوٹا دو اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔

اس آیت کا معنی بھی انہوں نے عجیب و غریب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اے ایمان والو! مرکزی حکومت کی اطاعت کرو اور ماتحت ملازمین کی اگر تمہارا جھگڑا ہو جائے تو مرکزی حکومت کے پاس اپنا جھگڑا بھیج دو۔"

وہ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کوئی نظام حکومت اس طرح قائم بھی رہ سکتا ہے کہ جس میں حالت یہ ہو کہ حکومت ایک قانون نافذ کرے اور جس کا جی چاہے اس کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے اور قرآن و حدیث کی کتابیں بغل میں داب کر مناظرہ کا چیلنج دے دے۔"

درست فرمایا آپ نے! واقعی دنیا کا کوئی نظام اس طرح نہیں چل سکتا کہ اس کے ہر حکم کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ لیکن حضرات والاشان ہم تو اسلامی نظام کے متعلق کلام کر رہے ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک اسلامی نظام بھی قرآن و حدیث کا چیلنج قبول نہیں کر سکتا۔ آپ ایسے دانشمندوں کو تو ایسی بے سروپا بات زیب نہیں دیتی۔ اسلامی نظام حکومت اور قرآن و حدیث کا چیلنج قبول نہ کر سکے عجب طرفہ ہے۔

بارہا اہلِ حق نے حکومت وقت کے احکام کو کتاب و سنت کے میزان میں تولا اور جہاں کہیں نقص دیکھا بڑی جرأت سے اس کی اصلاح کر دی۔ کیا آپ کو یاد نہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب عورتوں کے مہر کی حد مقرر کرنی چاہی تو عین اس وقت جب کہ وہ پیکرِ سطوت و جلال مسجد نبوی میں خطبہ دے رہا تھا ایک بڑھیا نے ان کو قرآن کی ایک آیت سنا کر ان کے حکم پر قلمِ تنسیخ پھروا دی۔

روی ان عمر قال علی المنبر الا لا تغولوا فی مهور نسائکم فقامت امراۃ فقالت یا بن خطاب اللہ یعطینا وانت تمنعنا وتلت الآیۃ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا فقال عمر اصابت امراۃ واخطأ عمر ورجع من کراھۃ المغالاۃ۔[1]

ترجمہ:۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ منبر پر اثنائے خطبہ میں لوگوں کو عورتوں کے گراں مہر مقرر کرنے سے منع کیا۔ ایک عورت اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی اے خطاب کے فرزند! اللہ ہمیں دیتا ہے اور تو روکتا ہے اور یہ آیت پڑھی وَاِنْ اَرَدْتُّمُ الخ یعنی اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح کرنے لگو تو پہلی بیوی کے مہر سے کچھ نہ لو خواہ وہ کتنا ہی گراں کیوں نہ ہو؟ یہ سن کر حضرت عمرؓ بولے کہ ایک عورت نے صحیح کہا اور ایک امیر سے خطا ہوئی۔ اس کے بعد اس حکم سے (جو آیت کا چیلنج قبول نہ کر سکا تھا) رجوع کیا۔

حضرت صدیقؓ کا پہلا خطبہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ شہرۂ آفاق خطبہ جو آپ نے اپنی خلافت کے پہلے روز دیا تھا کے یہ الفاظ اوراقِ تاریخ سے کون محو کر سکتا ہے؟

ایھا الناس انی ولیت امرکم ولست بخیرکم۔ ایھا الناس انا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعینونی

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۵ ص ۹۹

وان زغت فقوموني۔ (ابن سعید)

ترجمہ:۔ اے لوگو! مجھے تمہاری امارت سونپی گئی ہے اور میں اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہیں سمجھتا، اے لوگو! میں قرآن وسنّت کا متبع ہوں اور اپنی طرف سے خلافِ قرآن وسنت کوئی قانون نافذ کرنے والا نہیں ہوں پس اگر میں حسن وخوبی سے اتباعِ قرآن وسنّت کرتا رہوں، تو میری امداد کرنا، اگر مجھ میں ذرا سا میل اور کجی پاؤ تو مجھے درست کر دو۔

شاہِ رُوم کے دربار میں حضرت معاذؓ کی تصریح

اس سلسلہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیے جو انہوں نے شاہ روم کے دربار میں کہے تھے۔

وامیرنا منا ان عمل فینا بکتابنا وسنة نبینا قررناه علینا

وان عمل بغیر ذلك عزلناه عنا۔ (فتوح الشام)

ترجمہ:۔ ہمارا خلیفہ ہمیں میں سے ایک ہے۔ اگر وہ ہماری کتاب اور ہمارے نبی کی سنت کے مطابق عمل پیرا رہے تو ہم اسے اپنا خلیفہ مقرر کئے رکھتے ہیں۔ اور اگر قرآن وسنت کی خلاف ورزی کرے تو ہم اسے خلافت سے معزول کر دیتے ہیں۔

گویا صحابہ کرام کے نزدیک سنت نبوی سے روتابی ایسا جرم تھا کہ اس کے ارتکاب کے بعد خلیفہ اس قابل نہیں رہتا کہ امت مسلمہ اس کی اطاعت کرے۔

منکرینِ سنت کی مندرجہ بالا تشریح سے تو صاف ظاہر ہو گیا کہ وہ صرف حدیث کے حجت ہونے کے منکر نہیں بلکہ مرکزی حکومت کے نافذ کردہ احکام کے سامنے احکام

قرآنی کو بھی وہ کچھ زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ تو پھر یہ صاف طور پر کیوں نہیں کہہ دیتے کہ مرکزی حکومت جو حکم دے اسے مانو اور اس کی پرواہ نہ کرو کہ وہ فرمانِ خداوندی کے موافق ہے یا مخالف۔

واقعی سچ ہے یہ ارشاد باری مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اللہ کی اطاعت بھی وہی کر سکتا ہے جو رسول کے حکم کا پابند ہے اور جو اس کی پابندی سے قاصر ہو اس سے تعمیلِ فرمانِ الٰہی تو ہو سکتی ہی نہیں ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اِسلامی سیاست کے بنیادی اصول

زیرِ نظر آیت کو ایک بار پھر اوّل سے آخر تک نہایت غور وفکر سے پڑھئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر کسی بات میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اُسے لوٹا دو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ یہ بات (یعنی اپنے اختلافات کو دور کرنے کے لئے اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنا) اچھی ہے اور اس کا انجام بہت بہتر ہے۔

ان مختصر سے الفاظ میں قانون وسیاست کے تمام قواعد وضوابط جس حسن وخوبی سے سمیٹ کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ اسی میں قرآن کی عظمت کا راز پنہاں ہے۔ یہی چیز

اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ کتاب کسی انسان کا نتیجۂ فکر نہیں بلکہ خود کتاب ہستی کے خبیر و علیم مصنف کا مایۂ ناز شاہکار ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان اصولوں کی تعلیم دی ہے جن کی برکت سے ہمارا نظام تشریعی تمام دنیا کے تشریعی نظاموں سے زیادہ ترقی یافتہ اور ہمارا سیاسی دستور تمام ممالک کے دستوروں سے زیادہ مستحکم ہوسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر ایمان لانے کے بعد ہم پر فرض ہوجاتا ہے کہ ہم ان اصولوں پر عمل کریں۔

ان اصولوں کا خلاصہ یہ ہے :-

۱۔ قرآنِ کریم اور اس پر عمل جسے اطاعت اللہ کے لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲۔ سنت نبی کریم کی پیروی جسے اطاعت رسول کہا گیا ہے۔

۳۔ اپنے امراءِ حکومت کے احکام کی اطاعت اسے ہی اجماعِ امت بھی کہا جاتا ہے۔

۴۔ اور اگر خلافتِ الٰہیہ کے کارکنوں کے درمیان کسی بات پر اختلاف رائے ہو جائے تو اس کا تصفیہ کرنے کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔

رفعِ اختلاف کے اسلامی اور غیر اسلامی طریقوں میں موازنہ

آراء و افکار کا اختلاف ایک طبعی چیز ہے۔ دستور ساز اسمبلی کے ارکان ہوں یا مجلس وزارت کے افراد جب وہ کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں تو شاذ و نادر ہی کوئی ایسا مسئلہ ہوتا ہے جس پر اتفاق رائے ہو اکثر مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح کا اختلاف رائے ضرور پایا جاتا ہے۔ اب اس اختلاف سے بچ نکلنے اور کسی فیصلہ تک پہنچنے کے لئے دو طریقے ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا دوسرا وہ جو انسانی عقل

و فکر نے ہزارہا سال کی تفکرِ عمیق اور تلخ تجربات کے بعد اپنے لئے وضع کیا۔ اب ذرا ان دونوں نظریوں پر تحلیلی نظر ڈالئے۔ آپ خود ہی کہہ اٹھیں گے کہ وہی نظریہ درست ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھایا ہے۔

وہ نظریہ جو انسان نے اختلاف کو ختم کرنے کے لئے وضع کیا ہے اور جو آج تمام جمہوری حکومتوں میں رائج ہے وہ تو یہ ہے کہ اختلافی مسئلہ پر رائے شماری کی جائے اور صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ کثرت آراء سے کیا جائے۔ لیکن یہ حقیقت کسی سے بھی مخفی نہیں کہ صحت و عدم صحت کا یہ معیار قابل اعتماد نہیں۔ ایک نہ سنو ناواقف ارکان کی متفقہ رائے سے دس تجربہ کاروں کی رائے ہی صحیح ہوتی ہے۔ اب اگر ان ایک سو ارکان کی رائے کو صرف اس لئے درست مان لیا جائے کہ وہ ایک سو ہیں اور دس ماہرین کی رائے کو اس لئے غلط قرار دے دیا جائے کہ ان کی تعداد صرف دس ہے تو کیا یہ عقل و دانش کے ساتھ ظلم نہیں ہوگا اور کیا یہ عدل و انصاف کا خون نہیں ہوگا۔

اور جہاں ایک پارٹی کی حکومت ہوتی ہے وہاں تو اس طریقِ کار سے صورت حال اور بدتر ہوجاتی ہے۔ پارٹی کے ممبر قانونی طور پر اپنے لیڈر کی ہر بات کی تائید کرنے کے پابند ہیں اور حزب مخالف کتنی معقول بات ہی کیوں نہ کہے اس کی مخالفت صرف اس وجہ سے کرنی ضروری سمجھی جاتی ہے کہ ایسا نہ کرنے سے پارٹی کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

پارٹی کے کئی آزاد منش اور حقیقت پسند ارکان اس کورانہ تقلید سے تنگ آکر پارٹی سے علیحدگی اختیار کرلیتے ہیں اور اپنی الگ پارٹی بناکر اپنے خیالات اور آراء کی نشر و اشاعت کرتے ہیں۔ اور اگر قسمت نے یاوری کی اور حالات سازگار ہوئے اور یہ خود برسرِ اقتدار آگئے تو وہی المیہ وہ خود دہراتے ہیں جس سے برداشتہ خاطر

ہو کر انہوں نے نئی پارٹی کی بنیاد رکھی تھی بے اعتمادی کا یہ چکر قوم کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے اسے چھوٹی چھوٹی پارٹیوں میں تقسیم کر کے رکھ دیتا ہے۔ رقابت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے سازشیں کی جاتی ہیں۔ اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے دلائل پیش کئے جاتے ہیں اور مقابل کی دلیلوں کو جھٹلایا جاتا ہے۔ دلائل کی شکست و ریخت کا المناک منظر دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دور نہ جائیے اپنے گھر میں دیکھئے کیا ہو رہا ہے مسلم لیگ وہ اسلامیانِ ہند کی وحدت کا عنوان، ان کی آرزوؤں کا مرکز، وہ فولادی چٹان جس سے ٹکرا کر انگریزی استعمار اور ہندو سامراج پاش پاش ہو گیا۔ آج اس کی صفوں میں انتشار کیوں ہے۔ اس کی صف اوّل کے سپاہی آج کیوں دوسرے معسکروں میں دکھائی دے رہے ہیں۔ اس کی عظمت کہاں گئی۔ وہ آج کیوں اپنی بقا کے لئے حکومت کا سہارا لینے پر مجبور ہے اس لئے کہ اس کے اربابِ بست و کشاد نے اختلافی امور کا فیصلہ اکثریت رائے سے کیا اور اقلیت ان فیصلوں سے مطمئن نہ ہو سکی اور کٹتی گئی یہاں تک کہ آج مسلم لیگ کی رکنیت کے فارم ان ناموں سے خالی ہیں جن کے ساتھ جنگِ آزادی کی تاریخ وابستہ ہے۔

اختلافات کو دُور کرنے کے لئے جو تجویز اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر مجلسِ دستور ساز کے ارکان، یا کابینہ کے افراد یا کسی کمیٹی یا سب کمیٹی کے ممبران میں کسی مسئلہ پر باہمی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کے ازالہ کا طریقہ یہ ہے کہ

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

اسے لوٹا دو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف

اگر تم ان کے بیان کردہ قواعد عامہ اور اصولوں کے مطابق فیصلہ کرو گے تو یقیناً یہ اختلاف دور ہو جائے گا اور تمہارے اتحاد کو ٹھیس نہیں پہنچے گی۔ کیونکہ اگر

کسی فیصلہ کو قرآن و سنت کی کسی نص سے تقویت پہنچ جائے گی۔ تو تمام مخالف رائے رکھنے والے بھی سرِ تسلیم خم کر دیں گے اور ساری امت بھی اس فیصلہ پر عمل کرنے کے لئے دل و جان سے مستعد ہو جائے گی اور مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق جو ان کی عزّت و عظمت کا کفیل اور بقا کا ضامن ہے عقول انسانی کے دائمی نزاع و اختلاف کی دست برد سے محفوظ رہے گا۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

کہ تمہیں ضرور اپنے اختلافی مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں کرنا چاہئے اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

معلوم ہوا کہ جو اس ارشاد پر عمل نہیں کرتے ان کو بھی اللہ تعالیٰ پر پورا ایمان نہیں ورنہ اس کی نافرمانی کیوں کرتے اور قیامت کے دن کا یقین نہیں ورنہ وہ آخرت کے نعیم ابدی کے عوض اپنی اس فانی آسائش و عظمت پر قانع نہ ہوتے۔

پھر بھی یہ تصریح فرما دی کہ ایسا کرنے سے یہی نہیں کہ فقط تمہاری عاقبت سنور جائے گی۔ بلکہ یہ تو ایسا حکم ہے جس میں دنیاوی سعادتیں بھی پنہاں ہیں۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا

باہمی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے یہی طریقہ اچھا ہے اور اس کا انجام بہت بہتر ہے کہ تم کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو۔

ایک دوسری آیتِ کریمہ میں جہاں باہمی نزاع و افتراق کی مذمت کی گئی ہے اور اس کے برے نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے وہاں یہی بتایا گیا ہے کہ تشتت و افتراق کے ہولناک انجام سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔